

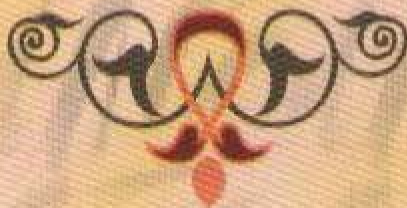


بدعات

رجب و شعبان

تالیف :

الشیخ محمد منیر قمر صاحب حفظہ اللہ





مکتبہ کتاب و سنت
www.ircpk.com

FAKHIR



بدعات

رجب وشعبان

تالیف وپیشکش

الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظ اللہ

ترجمان سپریم کورٹ الخبر، سعودی عرب

ترتیب وتدوین

آنسہ نبیلہ قمر صاحبہ

ناشر
مکتبہ کتاب وسنت
ریحان چیمہ، تحصیل ڈسکہ، سیالکوٹ (پاکستان)
موبائل: 0300-6439897



نام کتاب: ــــــــ بدعات رجب وشعبان

تالیف وپیشکش: ــــــــ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترتیب و تدوین ــــــــ آنسہ نبیلہ قمر صاحبہ

طبع اوّل ــــــــ اگست 2004

باہتمام ــــــــ غلام مصطفیٰ فاروق

پاکستان میں ملنے کے پتے

لاہور
- مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ 7237184
- اسلامی اکیڈمی 17 اردو بازار 7357587
- مکتبہ قدوسیہ اردو بازار 7351524
- دارالسلام سیکرٹریٹ سٹاپ 7240024
- مکتبہ نور اسلام 7352847
- کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار 7320318
- مکتبہ اصحاب الحدیث اردو بازار 7321823

راولپنڈی
- تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ، گوالمنڈی

اسلام آباد
- دارالعلم 699 آبپارہ مارکیٹ

ڈسکہ
- شمس الھدیٰ کیسٹ ہاؤس وڈالہ روڈ

ملتان
- فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ 541809

سیالکوٹ
- الفرقان اسلامک بک سنٹر بانو بازار ✪ گلزار بک ڈپو اردو بازار

گوجرانوالہ
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار 219791 ✪ والی کتاب گھر اردو بازار
- دارالسلام، چوک نیائیں 741613

کراچی
- مکتبہ اھلحدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ ✪ مکتبہ ایوبیہ محمدی مسجد، محمد بن قاسم روڈ

ہندوستان میں ملنے کے پتے
- ✪ توحید پبلی کیشنز ایس۔ آر۔ کے گارڈن، بنگلور، 6650618
- ✪ چار مینار بنک سنٹر چار مینار روڈ شیواجی نگر، بنگلور 560051 میسور 492129

Contact:E-Mail:tawheed_pbs@hotmail.com

فہرست مضامین

عرضِ مؤلف

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰه مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

أَمَّا بَعْدُ:

قارئین کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ کی توفیق وعنایت سے ماہِ ذوالحج ۱۴۲۲ھ بمطابق فروری ۲۰۰۲ء کے آغاز سے سعودی ریڈیو مکہ مکرمہ کی اردو سروس سے ہفت روزہ پروگرام ''اسلام اور ہماری زندگی'' پیش کرنے کی سعادت حاصل ہے۔

ماہِ محرّم ۱۴۲۳ھ کے دوران جو چار پروگرام نشر ہوئے، وہ ''سالِ نو کے پیغامات، آغاز کا صحیح طریقہ۔اور تذکرہ چند بدعات کا'' کے زیرِ عنوان کتابی شکل میں طباعت بالکل تیار ہیں، جبکہ ماہِ ربیع الاول کے چار پروگرام ''صحیح تاریخِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ۔جشنِ میلاد؛یوم وفات پر'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں، جمادیٰ الاولیٰ میں نشر شدہ پروگرام بنام ''قبولیتِ عمل کی شرائط (مختصر)'' بھی کمپوزنگ اور طباعت کے مراحل میں ہے۔اسی طرح جمادیٰ الثانیہ میں نشر شدہ چار قسطوں اور شوال میں نشر ہونے والی چار قسطوں کو بھی ''تعویذ گنڈوں اور جنّات وجادو کا علاج'' کے عنوان سے **مکتبہ کتاب و سنت** کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکے ہیں۔اور ماہِ رجب وشعبان کے لیئے ریکارڈ کروائے گئے آٹھ پروگراموں کو ''**بدعات رجب و شعبان**'' کے نام سے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اس کی طباعت اور نشر واشاعت میں جن جن احباب نے جس جس رنگ میں بھی تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ انھیں جزاء خیر دے۔ آمین

اِس رسالے کی ترتیب وتدوین اور کمپوزنگ پر ہم اپنی لختِ جگر آنسہ نبیلہ قمر کے بھی شکر گزار ہیں اور اس کے لیۓ توفیقِ مزید کے لیۓ اللہ سے دعاء گو ہیں۔

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنِّیْ وَ مِنْهَا وَ وَفَّقَنَا لِمَا فِیْهِ خَیْرُ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِیْنَ.

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے اور ہمارے تمام احباب کے لیۓ ثوابِ دارین کا ذریعہ اور تمام قارئین کے لیۓ باعثِ استفادہ وہدایت بنائے۔ آمین

الخبر - المحکمة الکبریٰ

۲۴ / جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

۲۲ / جون ۲۰۰۴ء

ابو عدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ الخبر

و داعیہ متعاون ، مراکز دعوت و ارشاد

الخبر ، الظہران ، الدمام

(سعودی عرب)

بدعاتِ ماہِ رجب

بدعت کا اجمالی سا تعارف

نیکی اور ثواب نام ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات کی تعمیل کا، اور اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، اگر اللہ و رسول ﷺ کی مہرِ تصدیق والا ہے تو فبہا، ورنہ دین و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور کوئی بھی عمل بظاہر چاہے کتنا ہی اچھا اور موجبِ اجر و ثواب محسوس ہو رہا ہو، لیکن وہ اللہ کے ہاں مقبول تبھی ہے جب اُسے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پسند فرمائیں۔ جبکہ یہ ایک معروف بات ہے کہ اللہ و رسول ﷺ اُسی عمل کو پسند فرماتے ہیں جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہو، یا اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا یا اس کی ترغیب دلائی ہو۔

لیکن ایک کام ایسا ہے کہ اس کا موقع بھی نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آیا ہو، کوئی خاص مجبوری اور امرِ مانع بھی نہ ہو، تب بھی نہ تو آپ ﷺ نے خود اُسے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُس کے کرنے کا حکم یا اشارہ فرمایا، اور نہ ہی قرونِ خیر میں سے کسی نے اس پر عمل کیا ہو، تو پھر ایسے کام میں خیر و بھلائی اور اجر و ثواب کی توقع رکھنا بالکل عبث و بے کار بات ہے۔

مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا باعثِ سعادت و برکت اور کارِ اجر و ثواب ہے، ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، جیسا کہ ترمذی شریف اور سنن دارمی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لا أَقُولُ آلٓمٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ)). (۱)

---

۱) صحيح الترمذی :۲۳۲۷، سنن دارمی ۴۲۹/۲ ، رياض الصالحين ص:۴۱۶

''جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا، اُسے نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ اِلف حرف ہے، لام حرف ہے اور میم حرف ہے''۔

اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ تلاوتِ قرآن کا ر ِثواب تو ہے ہی، اور اللہ تعالیٰ کے بندے اُس سے قریب تر اُس وقت ہوتے ہیں جبکہ وہ سجدہ کی حالت میں ہو جیسا کہ صحیح مسلم، ابو داوٗد، نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ)). (۲)

''بندہ اپنے رب کے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، پس اس حالت میں بکثرت دعاء کیا کرو''۔

اب اگر کوئی شخص قربِ الٰہی کے اس مقام پر قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کردے تو آپ ہی بتائیں کہ اس کا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اِس حالت میں نہ خود نبی ﷺ نے تلاوت فرمائی ہے اور نہ ہی اللہ اور رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ الٹا اس طرح سجدہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے سے رسولُ اللہ ﷺ نے روکا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((أَلَا إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعاً أَوْ سَاجِداً)). (۳)

''خبردار! مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے''

اس مثال کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں تو پھر سارا مسئلہ بآسانی حل ہو جاتا

---

۲) مختصر مسلم: ۲۹۸، صحیح ابی داؤد: ۷۷۸، صحیح النسائی: ۱۰۸۹، مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی ۲۸۱/۱، صحیح الجامع الصغیر ۳۸۰/۱

۳) مسلم مع النووی ۱۹۶/۴/۲، مشکوٰۃ ۲۷۹/۱

ہے، کیونکہ بالکل یہی حال اُن تمام دینی ایجادات واختراعات یا بدعات کا ہے جنھیں کسی نے خود اپنی مرضی سے اور اپنی ہی طرف سے دین میں داخل کر کے اُن پر عمل شروع کر دیا ہو۔

ماہِ رجب کے روزے:

ان اصولی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ذرا اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو آپ کو سینکڑوں ایسے اعمال نظر آجائیں گے جنہیں اسلام کے نام لیواؤں نے دین کا حصّہ بنا رکھا ہے، حالانکہ کتاب و سنت، تعامل صحابہ ﷺ اور علمائے امت سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، آپ دور نہ جائیں، ماہِ رجب میں سرانجام دیئے جانے والے بعض امور پر ہی غور کرلیں اور ان کی سند کا پتہ چلائیں تو بات صاف ہو جائے گی، مثلاً:

بعض لوگوں نے اس مہینے میں کئی روزے ایجاد کر رکھے ہیں، کسی کو ''معراج شریف'' کا روزہ کہا جاتا ہے، کسی کو ''مریم روزہ'' کا نام دیتے ہیں، کسی کو ''ہزاری روزہ'' اور کسی کو ''لکھی روزہ'' کہتے ہیں، حالانکہ یہ روزے نہ تو نبی ﷺ نے خود رکھے اور نہ ہی ان کا حکم فرمایا، یا ترغیب دلائی، بلکہ اس کے برعکس ایک ضعیف سند والی روایت میں ہے:

(نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِ رَجَبَ). (۴)

''نبی ﷺ نے رجب کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے''۔

نبی ﷺ کی طرف منسوب اس روایت کی سند تو ضعیف ہے، لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک صحیح روایت ہے جس سے مذکورہ حدیث کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے، اُس میں منقول ہے کہ حضرت عمرِ فاروق ﷺ اگر ماہِ رجب میں لوگوں کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھتے تو ان کے سامنے کھانے کا برتن رکھ کر اُن کے ہاتھوں پر اپنے کوڑے سے چوٹیں مارتے اور فرمایا کرتے تھے:

(۴) سنن ابن ماجه تحقيق محمد فواد عبد الباقي ۱/۵۵۴، حدیث نمبر ۱۷۴۳، وفي اسناده .

(كُلُوا ، فَإِنَّهُ شَهْرٌ كَانَ تُعَظِّمُهُ الْجَاهِلِيَّةُ). (۵)

''کھاؤ، اس مہینے کی ایسی تعظیم تو جاہلیت کا شیوہ ہے''.

ظاہر ہے کہ حضرتِ فاروق ﷛ ان خود ساختہ یا عہدِ جاہلیت کی یاد تازہ کرنے والے روزوں کی ممانعت فرما رہے ہیں، ورنہ اگر کوئی شخص ہر دوسرے دن کا روزہ رکھنے والوں میں سے ہو، جسے ''صومِ داوٗدی'' کہا جاتا ہے تو وہ حسبِ عادت روزہ رکھ سکتا ہے، ایسے ہی سال بھر ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھنے والا شخص بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے۔

کیونکہ یہ روزے مسنون ہیں، اور ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے دو روزے بھی نبی ﷺ کا معمول تھے، اِن کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے یا ''بزرگوں نے فرمایا'' جیسی سند سے بیان کردہ روزے رکھتا ہے تو وہ بدعات میں شمار ہوں گے، ان کا نام ''لکھی'' رکھیں یا ''ہزاری''، اور انہیں ''مریم روزہ'' کا نام دیں یا ''معراج کا روزہ'' کہیں، نبی ﷺ، خلفاء راشدین وصحابہ کرام ﷡، ائمہ اربعہ اور علمائے دین رحمہم اللہ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہیں.

صلوٰۃ الرغائب

بعض لوگ ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو ایک خود ساختہ نماز ادا کرتے ہیں جسے ''صلوٰۃ الرغائب '' کا نام دیا جاتا ہے، یہ نماز جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شام کو مغرب وعشاء کے مابین پڑھی جاتی ہے، جس کی امام غزالی وغیرہ کی طرف سے بارہ رکعتیں قرار پائی ہیں، ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ، تین دفعہ سورۂ قدر ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اور بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ستر مرتبہ درود

۵) ارواء الغلیل للالبانی ۱۱۳/۴

شریف پڑھیں اور پھر سجدہ میں ,گر کر ستر مرتبہ(سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلائِکَةِ وَ الرُّوحِ)، پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر ستر مرتبہ(رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ أَنتَ الْأَعَزُّ الْأَکْرَمُ) اور پھر دوسرے سجدہ میں بھی پہلے کی طرح ہی کریں.(٦)

اور کئی موضوع ومن گھڑت روایتیں بیان کر کے اس نماز کی فضیلتوں کے پُل باندھے جاتے ہیں، جنہیں سن کر علمِ دین سے بے بہرہ اور اصلی ونقلی کی پہچان سے لاپرواہ لوگ حصولِ ثواب کے لیئے کشاں کشاں چلے آتے ہیں، حالانکہ البداية و النهاية میں معروف مفسّر ومحدِّث اور موَرِّخ امام ابن کثیرؒ کے بقول یہ نماز قطعاً بے ثبوت ہے. (٧)

صلوٰۃ الرغائب اور علامہ عراقی: علامہ عراقی نے احیاء علوم الدین للغزالی کی تخریج میں مذکورہ نماز والی حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے. (٨)

صلوٰۃ الرغائب اور ابن تیمیہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس نماز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام ﷺ، تابعین، ائمہ دین اور علماء سلف رحمھم اللہ میں سے کسی سے بھی اس نماز کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ خاص ماہِ رجب کی پہلی جمعرات وجمعہ کی درمیانی شب کی فضیلت کسی حدیثِ صحیح میں وارد ہوئی ہے اور اس کے بارے میں جو ایک روایت بیان کی جاتی ہے، وہ علمِ حدیث کی معرفت رکھنے والے علماء ومحدّثینِ کرام کے نزدیک جھوٹی اور من گھڑت ہے.(٩)

صلوٰۃ الرغائب اور فقہاء احناف: اس صلوٰۃ الرغائب کے بارے میں دیگر فقہی مکاتبِ فکر اور محدّثین ومجتہدین کی طرح ہی حنفی مکتبِ فکر سے تعلق

---

٦) الابداع فی مضار الابتداع للشیخ علی محفوظ ص:٢٨٨۔٢٨٩، احیاء علوم الدین للغزالی ١/١٨٢

٧) البداية و النهاية لابن کثیر ٢/٣/١٠٩

٨) تخریج احیاء علوم الدین ١/١٨٢

٩) الابداع ایضاً

رکھنے والے علماء بھی خوش فہم نہیں، بلکہ فقہ حنفیہ کی کتب میں بھی کھل کر اسے جعلی و من گھڑت اور بدعت قرار دیا گیا ہے. چنانچہ حاشیۃ الاشباہ للحموی سے نقل کرتے ہوئے معروف ومتداول کتاب ردّالمحتار حاشیہ درِّ مختار کی جلد اول ص: ۵۴۴ پر صلوٰۃ الرغائب کے بارے میں لکھا ہے:

(قَدْ حَدَثَتْ بَعْدَ أَرْبَعِ مِائَةٍ وَ ثَمَانِيْنَ مِنَ الْهِجْرَةِ وَ قَدْ صَنَّفَ الْعُلَمَاءُ كُتُباً فِي اِنْكَارِهَا وَ ذَمِّهَا وَ تَسْفِيْهِ فَاعِلِهَا، وَلَا يُغْتَرُّ بِكَثْرَةِ الْفَاعِلِيْنَ لَهَا فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْصَارِ).

"یہ نماز ۴۸۰ ھ کے بعد ایجاد ہوئی اور علماء نے اس کے انکار و مذمّت اور اسے ادا کرنے والوں کے احمق پن پر کئی کتابیں لکھی ہیں، اور کثیر شہروں میں اسے ادا کرنے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھایا جائے".

اور آگے چل کر ص: ۶۶۰ پر لکھا ہے:

(وَ لِذَا مُنِعُوْا عَنِ الْاِجْتِمَاعِ لِصَلٰوةِ الرَّغَائِبِ الَّتِيْ اَحْدَثَهَا بَعْضُ الْمُتَعَبِّدِيْنَ لِأَنَّهَا لَمْ تُؤْثَرْ عَلٰى هٰذِهِ الْكَيْفِيَّةِ فِيْ تِلْكَ اللَّيَالِي الْمَخْصُوْصَةِ وَ اِنْ كَانَتِ الصَّلٰوةُ خَيْرَ مَوْضُوْعٍ). (۱۰)

"اور اسی لیے اہل علم نے اس نماز "صلوٰۃ الرغائب" کے لیے جمع ہونے سے منع کیا ہے، جسے بعض جاہل عابدوں (صوفیوں) نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ اس مذکورہ کیفیت کے ساتھ مخصوص راتوں میں ایسی کوئی نماز ماثور یا ثابت نہیں ہے، اگرچہ بذاتہٖ نماز تو اچھا عمل ہے".

علاوہ ازیں بعض دیگر مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کے اقوال و ارشادات سے بھی مذکورہ نماز کے بے اصل ہونے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً:

صلوٰۃ الرغائب اور حافظ ابن الجوزی: حافظ ابن الجوزیؒ نے "

۱۰) بحوالہ ردِّ بدعات مصنفہ حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی، ص: ۱۱۷۔۱۲۰

الحِصن الحصين " میں اس نماز والی روایت کے بارے میں کہا ہے :

(فَلَا تَصِحُّ، وَسَنَدُهَا مَوْضُوعٌ وَ بَاطِلٌ). (۱۱)

''یہ صحیح نہیں ہے، اوراس کی سند من گھڑت اور باطل ہے ''

صلوٰۃ الرغائب اور امام نووی: شارح مسلم امام نوویؒ اپنی ایک دوسری کتاب ''المجموع شرح المھذّب ''میں فرماتے ہیں:

''صلوٰۃُ الرغائب کے نام سے معروف نماز جو ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو مغرب وعشاء کے مابین بارہ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں ، اور ۱۵ شعبان کی رات کو سو رکعتوں پر مشتمل ایک نماز پڑھی جاتی ہے، یہ دونوں نمازیں منکرترین بدعت ہیں۔اور کتاب " قوت القلوب "اور "احیاء علوم الدین " میں ان نمازوں کے مذکورہ ہونے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے ،اوران نمازوں کے بارے میں بیان کی جانے والی احادایث سے بھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے ، یہ سب باطل ہیں اور ائمہ علم میں سے ایک صاحب پر ان نمازوں کی شرعی حیثیت مشتبہ ہوگئی ، اور انھوں نے چند اوراق پر مشتمل ایک رسالہ بھی لکھ مارا.اوراُس میں ان نمازوں کا استحباب ذکر کردیا۔اُس رسالہ سے بھی دھوکہ نہ کھایا جائے[کیونکہ وہ رسالہ مِنْ زَلَّاتِ الْعُلَمَاءِ کے قبیل سے ہے] اُس میں انھوں نے مغالطہ سے کام لیا ہے،اور شیخ الاسلام ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل المقدسی نے ان کے ردّ میں ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں بڑے عمدہ طریقے سے ان کا بُطلان ثابت کیا ہے'' ۔ (۱۲)

صلوٰۃ الرغائب اور امام طرطوشی: اسی خودساختہ نماز کے بارے میں امام طرطوشی نے امام المقدسی سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

---

۱۱)بحوالہ الابداع،ص:۲۸۸

۱۲)المجموع شرح المھذب ،اور دیکھیئے :الابداع،ص:۲۸۸

(لَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ صَلوٰةُ الرَّغَائِبِ هٰذِهِ الَّتِي تُصَلّٰى فِي رَجَبٍ وَلَا فِي شَعْبَانَ وَأَوَّلُ مَا حَدَثَتْ عِنْدَنَا صَلوٰةُ شَعْبَانَ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَ أَرْبَعِيْنَ وَ أَرْبَعِ مِائَةٍ)(۱۳)

''ہمارے یہاں بیت المقدس میں یہ نماز ''صلوٰۃ الرغائب'' نہیں پڑھی جاتی تھی جو کہ رجب میں پڑھی جاتی ہے اور نہ ہی پندرہ شعبان کی نماز مروّج تھی اور یہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد ہوئی ہے''

ایسے ہی کئی دیگر محققین علماء نے اس صلوٰۃ الرغائب کو غیر مستحب بلکہ مکروہ ومنکر بدعت قرار دیا ہے۔

ماہ وشب معراج کی عدم تعیین:

رجب کے روزوں اور اس خودساختہ صلوٰۃ الرغائب کی طرح ہی اس ماہ کی ۲۷ تاریخ کو بعض لوگ ''شبِ معراج'' ہونے کے زعم میں جشن مناتے ہیں، رات کو چراغاں کرتے ہیں اور خودساختہ نمازیں پڑھتے ہیں، ان امور کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے پہلے تو ضروری ہے کہ ''شبِ معراج'' کا تعیّن ہو، لیکن جب محدّثین و مؤرخین کی تالیف کردہ کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیسویں شب کے ''شبِ معراج'' قرار پانے سے پہلے خود ماہِ رجب کے ماہِ معراج ہونے پر بھی علمائے تاریخ کا اتفاق نہیں، معروف مفسّر ومؤرخ امام ابن کثیرؒ نے اپنی ضخیم تاریخ اسلام البدایۃ والنہایۃ کے تیسرے جزء ص: ۱۰۸۔۱۰۹ پر اسراء ومعراج کا واقعہ نقل کرنے سے پہلے متعدد روایات بیان فرمائی ہیں، وہاں انہوں نے امام بیہقیؒ کے حوالہ سے امام ابوشہاب زہریؒ کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

(أُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ خُرُوْجِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ بِسَنَةٍ)

---

۱۳) بحوالہ الابداع، ص: ۲۸۸

''نبی ﷺ کو ہجرتِ مدینہ سے ایک سال پہلے سفرِ معراج کرایا گیا''.

یہی قول عُروہ کا ہے، امام حاکمؒ کے حوالے سے انھوں نے حضرت سدی کا قول بھی ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :

(......لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ قَبْلَ مُهَاجِرِهِ بِسِتَّةِ عَشَرَ شَهْراً).

''نبی ﷺ کو ہجرت سے سولہ ماہ قبل معراج کرایا گیا''.

لہٰذا امام زہری وعُروہ رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ماہِ معراج ربیع الاول بنتا ہے، جبکہ وہ بھی ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن عساکرؒ نے تو اسراء ومعراج کی احادیث کا ذکر ہی اوائل بعثت کے واقعات میں کیا ہے اور حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق معراج کا واقعہ ماہِ ذی القعدہ میں بنتا ہے۔ (۱۴)

ماہِ ربیع الاول کے ماہِ معراج ہونے سے متعلق امام زہری وعروہ رحمہما اللہ کے قول کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اثر سے بھی ہوتی تھی لیکن اس کی سند میں امام ابن کثیرؒ کے نزدیک انقطاع ہے، یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

(وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ الثَّانِي عَشَرَ مِنْ رَبِيعِ الْأَوَّلِ وَفِيهِ بُعِثَ وَفِيهِ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَآءِ وَفِيهِ هَاجَرَ وَ فِيهِ مَاتَ). (۱۵)

''نبی ﷺ عام الفیل ماہِ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن پیدا ہوئے اُسی دن آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اُسی دن آپ ﷺ کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا، اُسی دن آپ ﷺ نے ہجرت کی اور اُسی دن آپ ﷺ نے وفات پائی''.

یہاں بھی معراج کے ماہِ ربیع الاول میں کرائے جانے کا ذکر ہے، مگر یہ روایت

---

۱۴)البداية و النهاية ۲/۳/۱۰۸_۱۰۹_

۱۵)البداية و النهاية ۲/۳/۱۰۸_۱۰۹ .

چونکہ منقطع سند والی ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔ اسی طرح ماہِ ربیع الثانی، ماہِ رجب، ماہِ شوال اور ماہِ ذوالحج میں معراج کرائے جانے کی روایات بھی ملتی ہیں، اور ماہِ رجب کی بھی، اور جب ماہِ معراج پر ہی اتفاق نہیں تو تاریخِ معراج کی تعیین متفق علیہ کیسے ہوسکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اسی طرح ہی تاریخِ معراج میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ بات بھی حکمتِ الٰہی سے خالی نہیں کہ ماہ و تاریخ معراج پر اتفاق نہ ہوسکا، تاکہ طرح طرح کی بدعات کو وجود میں لانے والوں کو یہ بنیادی چیز ہی متفق علیہ نہ ملے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید تھا کہ تمام مؤرخین کا اتفاق ہو جاتا۔

جشنِ معراج کی شرعی حیثیت:

لیکن اگر مشہور روایت کے مطابق ماہِ رجب اور اس کی بھی ستائیس تاریخ کو ہی "شبِ معراج" مان لیا جائے، تو اب باری آجاتی ہے، ہمارے لوگوں کے اس رات میں چراغاں کا اہتمام کرنے، جشن منانے، خوشیاں منانے کے رنگارنگ انداز اختیار کرنے، دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نوافل پڑھنے کی شرعی حیثیت کے تعیّن کی۔

دن کو روزہ رکھنے اور اس رات کو قیام کرنے یا نوافل پڑھنے کے بارے میں تو ہم رجب کے روزوں اور صلوٰۃ الرغائب کے ضمن میں ذکر کردہ تفصیل پر ہی کفایت کرتے ہیں، کیونکہ صاحب البدایۃ والنہایۃ حافظ ابن کثیر کے مطابق رجب کی پہلی جُمعرات وجُمعہ کی درمیانی رات کو شام کے وقت مغرب وعشاء کے مابین پڑھی جانے والی صلوٰۃ الرغائب دراصل اِسی زعم کا نتیجہ ہے کہ شبِ معراج رجب کے پہلے جُمعہ کی رات ہے اور اس رات کو لیلۃ الرغائب اور اس کے لیئے ایجاد کردہ نماز کو صلوٰۃ الرغائب کا نام دیا جاتا ہے۔ (۱۶)

اب رہا شبِ معراج کو جشن منانے اور چراغاں کا اہتمام کرنے کا مسئلہ، تو اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ نبی ﷺ، خلفاء راشدین و

---

۱۶) البدایۃ و النہایۃ ۱۰۹/۳/۲

عام صحابہ کرام ﷺ، آئمہ اربعہ اور علمائے دین وسلف صالحین رحمہم اللہ کسی سے بھی ہمارے یہ مروّجہ امور ثابت نہیں ہیں، جنہیں جشنِ معراج کے نام سے سرفراز کیا گیا ہے، امام الانبیاء نبیٔ رحمت ﷺ اس عظیم معجزہ کے بعد ایک طویل مدّت تک صحابہ کرام ﷺ کے مابین موجود رہے، مگر آپ ﷺ نے نہ تو خود یہ کام کیے اور نہ ہی کسی کو ان کے کرنے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ کے اشارۂ ابرو پر جانیں نچھاور کرنے والے خلفاء وصحابہ ﷺ اور تابعین وآئمہ، کسی سے بھی ان امور کا پتہ نہیں چلتا۔

جشن معراج پر علامہ ابن بازؒ کا تبصرہ: ان جشنوں، جلسوں یا اجتماعات کی شرعی حیثیت کی تعیین کے بارے میں دَورِ حاضر کے معروف عالم اور مفتیٔ عالم علاّمہ عبدالعزیز ابنِ بازؒ نے ایک تفصیلی فتویٰ صادر فرمایا تھا، جس کا پورا متن یا ترجمہ تو نہیں، البتہ اُس کا ایک پیرا گراف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''اسراء ومعراج کی رات کا حدیثوں میں کوئی تعیّن نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی اس کی تعیین کے متعلّق مذکور ہے، وہ سب من گھڑت ہے۔ نبی ﷺ سے اس کے متعلّق کچھ ثابت نہیں۔ اور اگر بالفرض اُس کی تعیین ثابت بھی ہو جائے تو بھی اُس دن کو عبادت کے لیۓ خاص کرنا مسلمانوں کے لیۓ جائز نہیں۔ اُس دن جلسہ واجتماع اور احتفال یعنی جشن منانا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اُس دن نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ نے ایسا جلسہ واجتماع نہیں کیا، اور نہ اس دن کو کسی عبادت کے لیۓ مخصوص کیا۔ اگر اس روز جلسے واجتماع کرنا ثواب کا کام ہوتا تو نبی ﷺ اپنی امت کے لیۓ قولی یا فعلی طور پر اس کی ضرور وضاحت فرما دیتے۔ اور اگر اس کے متعلّق نبی ﷺ سے ایسا کوئی عمل واقع ہوا ہوتا تو لوگ اُسے پہچانتے اور وہ مشہور و معروف ہوتا۔

اور پھر صحابہ کرام ﷺ (دوسرے دینی اُمور وہدایات کی طرح) اسے بھی

ہماری طرف منتقل کرتے ۔ کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے ہر اُس شئے کو نقل کیا ہے کہ جس کی اُمّت کو ضرُورت تھی ۔ انہوں نے دین کے معاملے میں کبھی سُستی وغفلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ نیکی کے معاملہ میں وہ پیش پیش تھے ۔ اگر اس رات کو اجتماع واحتفال اور جلسہ وجشن منعقد کرنا جائز وکارِثواب ہوتا تو صحابہ کرام ؓ یہ کام سب سے پہلے خود کرتے ۔
علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ اپنی اُمّت کے لیئے سب سے زیادہ ناصح اور خیر خواہ تھے ۔ اور آپ ﷺ نے پیغامِ رسالت نہایت دیانت وتندہی سے پہنچایا۔ اور اِس امانت کا حق ادا کرنے اور اِس فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لیئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر اِس رات کی تعظیم کرنا، اِس میں اجتماع واحتفال اور جلسہ وجشن کوئی دینی کام ہوتا، تو آپ ﷺ اِس میں ہر گز سُستی نہ کرتے، اور نہ ہی اِسے اپنی اُمّت سے مخفی رکھتے ۔ اور جب آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات کہی ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ اس رات کی تعظیم کرنا اور اس میں اجتماعات واحتفالات کوئی اسلامی فعل نہیں ہے ۔ (۱۷)

آتش بازی وچراغاں اور جانی ومالی نقصانات :

شبِ معراج کو جو چراغاں کرنے یعنی بکثرت شمعیں جلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور پھر پندرہ شعبان کو بھی ”شب قدر یا شبِ براءت“ کہتے ہوئے چراغاں کیا جاتا ہے، اور صرف چراغاں کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ بڑی زوردار آتش بازی بھی کی جاتی ہے، جبکہ پندرہ شعبان والی آتش بازی اور پٹاخے ہر سال لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ برباد کرنے کا سبب بن جاتے ہیں، اور اگر صرف اتنا ہی رہتا تو بھی شاید ”یہ مال تو آنی جانی چیز ہے“ کا نعرہ لگا کر بعض لوگ اس فکر سے آزاد ہو جاتے ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ ”بھئی پیسے پھر کمائے ہی کس لیئے جاتے ہیں؟ اِسی لیئے تو

---

۱۷) بحوالہ فتاوی مہمة لعامة الامة ص:۵۶۔۵۷ طبع مؤسسہ الحرمین الشریفین وہفت روزہ الاسلام لاہور ج ۱۵ شمارہ ۳۸ بابت ۹ رجب ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۷ ۱۹۸۹ء

کمائی کی جاتی ہے کہ خوشی وغم میں کام آئیں، لہٰذا کیا ہوا، اگر خوشی کے اس موقع پر دو چار سو روپے کی آتش بازی ہمارے گھر والوں نے کر لی"۔

لیکن معاملہ دولت کی بربادی سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور اس آتش بازی وچراغاں کے دوران ہر سال ہی کئی گھروں کے چراغ بھی گل ہو جاتے ہیں، کسی خانہ میں اہلِ خانہ کا صرف ایک ہی لختِ جگر تھا۔ اب ایسے ہی مروّجہ کھیل تماشوں کا موقع آئے تو ایسے والدین اپنے اکلوتے لاڈلے کے لیئے چاؤ پیار سے دوسرے لوگوں کی نسبت بڑھ چڑھ کر اور طرح طرح کی آتش بازی مہیّا کر دیتے ہیں۔

اب اس بات سے تو شاید کوئی بھی ناواقف نہ ہو کہ آتش بازی سے جو ہر سال جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، اُن میں سے ایسے کتنے ہی معصوم ومحبوب اکلوتے لختِ جگر بھی ہوں گے جن کا جھلس کر والدین کے ہاتھوں سے نکل جانا اُنہیں عمر بھر کا داغ دے جاتا ہوگا، اور ہمیشہ کے لیئے ان کے دِلوں کے چراغ گُل کر جاتا ہوگا۔ اور پھر اگر کسی کا کوئی لختِ جگر اکلوتا نہ بھی ہو، تو بھی یہ کون سا ایسا سودا ہے کہ پیسے کے ساتھ خریدا جا سکتا ہے؟ اور اس موقع پر آتش بازی کی نذر ہو جانے والا اگر پورے خاندان کا کفیل اور عیالدار ہوا تو پھر اُس خاندان پر کیا کیا مصائب ومشکلات نہ آئیں گی۔ جن کی روزی روٹی کا ظاہری سہارا ہی چھن جائے؟

اس جانی اور مالی نقصان کے علاوہ دارُوگروں یا آتش بازی کی اشیاء تیار کرنے والوں کے بارے میں بھی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ اُن کے گھر میں موجود آتش گیر مادّے میں دھماکہ ہو گیا، جس سے سارا گھر ہی جل گیا، اور گھر میں موجود عورتیں، مرد، بچے، اور بچیاں بھی لقمۂ اجل بن گئے۔ اور اتنے ہمسائیوں کو فلاں فلاں نقصان پہنچا اور آتش بازی کے یہ نقصانات ہر سال اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اور اس کے ان جانی نقصانات سے قطع نظر اس کے تو محض مالی نقصانات بھی ایسے ہیں کہ شریعت کی رُو سے یہ فعل حرام قرار پاتا ہے۔ اور ایسے مواقع پر دو چار سَو کی آتش بازی کرنے والوں کو "پیسے کے آنی جانی چیز" ہونے کا اتنا ہی اعتماد ویقین

تو اس وقت دیکھنے والا ہوتا ہے، جب کوئی لاوارث، یتیم، بے بس، مسکین اور بھوکا ننگا محتاج، اللہ کے نام پر سوال کر بیٹھے تو دولت کو آنی جانی کہہ کر فضول خرچیاں کرنے والے انہیں دو چار یا دس بیس روپے دینے کی بجائے دھکّے اور گالیاں دیتے پائے جاتے ہیں۔ اور یوں لگتا ہے کہ اب اِن میں احساسِ رحم وکرم مَر ہی چکا ہے۔

چراغاں کرنے کا آغاز واسباب

مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش

ہر سال اتنی بڑی دولت اور انسانی جانوں کو نذرِ آتش کرنے والے فعل کے جواز کا مطالبہ تو شاید کوئی بھی عقلمند نہ کرے۔ لہٰذا ان صریح حماقتوں کے ذکر کو چھوڑیں، البتہ چراغاں کرنے اور شمعیں جلانے کی تاریخ واسباب قابلِ توجہ ہیں۔

آتش بازی اور بکثرت موم بتّیاں جلا کر چراغاں کرنا تاریخی اعتبار سے ایک ہی گروہ کی سازش ہے۔ اور سازش بھی ایسی گہری اور خفیہ کہ مسلمان سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کریں، لہٰذا اسے عبادت وثواب کے نام سے نہ صرف یہ کہ اسے گھروں کی حد تک ہی رہنے دیا، بلکہ مساجد بھی اِس سے نہ بچ پائیں۔ اور شبِ معراج ہو یا شبِ براءت ہر دو موقعوں پر ہی چراغاں کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور شاید کبھی یہ صرف شبِ براءت کے ساتھ ہی خاص تھی۔ اور شبِ معراج اس سے محفوظ تھی لیکن دورِ حاضر میں ایسا نہیں رہا۔

تاریخ چراغاں اور علامہ ابو شامہ : معروف ومعتبر عالم علاّمہ ابو شامہ نے اس چراغاں کی تاریخ وآغاز اور اس کی تہہ میں پائے جانے والے خطرناک محرّکات کی تفصیل اپنی کتاب ''الباعث علیٰ انکار البدع و الحوادث'' میں ذکر فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں :

''اہلِ بدعت نے جو بدعات ایجاد کی ہیں اور دینِ خالص میں جو اضافے

کیئے ہیں اور جن امور میں وہ آتش پرست مجوسیوں کی روش پر چل نکلے ہیں، اور اپنے دین کو لہو ولعب بنا دیا ہے، اُن امور میں سے ایک نصفِ شعبان کی رات "شبِ براءت" میں چراغاں کرنا بھی ہے، حالانکہ نبی ﷺ سے اس رات میں ایسا کوئی عمل ثابت نہیں، نہ ہی آپ ﷺ سے اس رات میں کسی خاص نماز کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی چراغاں کے بارے میں کوئی حدیث ہے۔ اس فعلِ چراغاں کو شریعتِ اسلامیہ سے کھلواڑ کرنے اور دینِ مجوس میں دلی رغبت رکھنے والوں نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ مجوسی لوگ آگ کو اپنا معبود مانتے ہیں، اور اس کی پُوجا و پرستش کرتے ہیں۔

اس چراغاں کا آغاز خاندانِ برامکہ کے عہد میں ہوا، انہوں نے چالاکی کے ساتھ اسے دینِ اسلام میں داخل کر دیا، اور شعبان کی چراغاں کو ایسی ہوا دی کہ اِسے سُننِ ایمان کے درجے پر لے آئے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اُن کا مقصود صرف لوگوں سے آگ کی پرستش کروانا تھا جسے وہ خود پوجتے تھے، یوں وہ اپنے دین کی اقامت چاہتے تھے۔ جبکہ مجوسیّت درحقیقت تمام ادیانِ عالم سے بڑھ کر خائب و خاسر دین ہے، اور ان کا چراغاں کی ترغیب دلانا اس لیئے تھا کہ لوگ اپنے سامنے بکثرت شمعیں جلا کر رکھ لیں گے اور نماز پڑھیں گے تو ان کے رکوع و سجود آگ کی طرف ہوں گے"۔ (۱۸)

امام ابن العربی: معروف محدّث وفقیہہ امام ابنُ العربی فرماتے ہیں:

"مساجد میں بخور کا رواج سب سے پہلے بنو برمک میں سے یحیٰی بن خالد برمکی اور محمد بن خالد برمکی نے اختیار کیا کہ جنہیں والیٔ سلطنت نے دینی امور کی مسئولیت سونپی تھی، ان میں سے محمد بن خالد تو حاجب سلطان (شاہی دربار کا دربان) تھا، اور یحیٰی بن خالد وزیر تھا، اور اُس کے بعد اس کا

---

۱۸) دیکھیئے: الباعث ص: ۳۴، تحفة الأحوذي ۴۴۳/۳

بیٹا جعفر بن یحیٰ اس کا جانشین بنا، یہ سب باطنی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مجوسیت یا آتش پرستی کا احیاء کیا اور مساجد میں بخور کو رواج دیا، حالانکہ پہلے صرف خَلوق سے مساجد کو معطّر کیا جاتا تھا، (اور بخور بھی مساجد یا کمروں کو معطّر کرنے کا ایک ذریعہ ہے مگر اس میں آگ کے کوئلوں سے بھری چھوٹی چھوٹی مخصوص بناوٹ کی انگیٹھیوں میں بخور کی مخصوص لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں، جن کا دُھواں خوشبودار ہوتا ہے، اور مساجد معطّر ہو جاتی ہیں، اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ دہکتے کوئلوں سمیت دُھواں چھوڑنے کی حالت میں ہی انھیں مسجد میں صفِ اوّل کے آگے کہیں امام کی دائیں یا بائیں جانب رکھ دیا جاتا ہے) امام ابن العربی کے بقول آتش پرستی کے احیاء کے لئے مساجد کو معطّر کرنے کا یہ طریقہ برامکہ کا ایجاد کردہ ہے، ورنہ پہلے مساجد کو اس بخور کی بجائے خَلوق سے معطّر کیا جاتا تھا"۔

دیگر مورخین: بعض مورّخین نے لکھا ہے:

"ان برامکہ نے ہارون الرشید کے سامنے کعبہ شریف میں بخور کی ایسی انگیٹھیاں رکھنے کے فعل کو خوب بنا سجا کر پیش کیا، لیکن ہارون الرشید اُن کے بہکاوے میں نہ آیا، بلکہ اُس نے اُن کی سازش کا راز فاش کر دیا، کیونکہ وہ ان کی دسیسہ کاریوں سے واقف تھا، اور جانتا تھا کہ یہ لوگ کعبہ شریف میں یہ انگیٹھیاں اس لئے رکھوانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان مساجد میں آگ رکھنے پر مانوس ہو جائیں، جبکہ آگ مجوسیوں کی معبود ہے، اور وہ اُس کی پرستش کرتے ہیں ۔ اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ برامکہ، آتش پرست مجوسیوں کی اُن خفیہ تنظیموں کے سربراہوں میں سے تھے جو کہ اسلام کی عمارت کو زمین بوس کرنے، عربوں پر مجوسیوں کا تسلط جمانے اور مجوسی حکومت کا دَور لانے میں کوشاں تھیں۔

الشیخ علی المحفوظ: الغرض کبار علماء مصر میں سے شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کے بقول:

''مساجد میں چراغاں کرنا سلف صالحین کے عمل میں شامل نہ تھا، اور نہ ہی اُن کے یہاں مساجد کی یوں تزئین کی جاتی تھی، بعد میں چراغاں کے ذریعے مساجد کو مزیّن کرنے کا طریقہ ایجاد کیا گیا، حتیٰ کہ یہ سلسلہ رمضان المبارک کی تعظیم کا ایک لازمی جزء بن گیا، اور علماءِ کرام کے ان امور پر نکیر نہ کرنے کے باعث عوام النّاس میں یہ فعل جڑ پکڑتے پکڑتے عقیدہ ہی بن گیا ہے''۔ (۱۹)

یہ ہیں آتش بازی اور چراغاں کرنے اور مساجد کو بخور سے معطّر کرنے کی تاریخ اور اسباب ومحرّکات، اور آفرین ہے مسلمانوں کی سادہ لوحی پر کہ مجوسیوں کی سازش کو اپنے لیئے عبادت بنائے چلے آرہے ہیں۔ اور شبِ معراج، شبِ براءت اور ماہِ رمضان میں اِن امور کو بجالانا اپنے لیئے عظیم ثواب وسعادت سمجھتے ہیں، اور افسوس ہے اُن لوگوں کے تغافلِ مجرمانہ پر جو جانتے بوجھتے بھی اِن افعال ودسائس کے خلاف زبان تک کھولنے پر آمادہ نہیں، اللہ انہیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۹:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَ الْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْکِتَابِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾

''جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسی اپنی کتاب میں لوگوں کے لیئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے''۔

میں مذکور وعیدِ شدید سے بچنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

۱۹) الابداع ص: ۲۸۹-۲۹۰

ماہِ رجب کے کونڈے وغیرہ :

ماہِ رجب میں ہی حضرت امام جعفر صادق رحمہٗ اللہ کے نام کا حلوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جوکہ ''رجب کے کُونڈوں'' کی شکل میں ایک خود ساختہ عبادت کی شکل اختیار کیئے ہوئے ہے، ایسے ہی اِسی ماہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہٗ اللہ کی ولادت کی رات میں مجلس قائم کی جاتی ہے اور شیخ جیلانی رحمہٗ اللہ کے نام پر جانور ذبح کیئے جاتے ہیں ۔

اسی طرح خواجہ غریب نواز، خواجہ بندہ نواز، اور میراں داتا وغیرہ بزرگوں کے نام پر بھی جانور ذبح کیئے جاتے ہیں، اور اُن مجالس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، طبلے بجائے جاتے ہیں، عَلم اٹھائے جاتے ہیں، اور کئی ایسی دوسری برائیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جنہیں نہ صرف یہ کہ دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ کوئی سلیم الطبع انسان ان افعال کو گوارہ بھی نہیں کر سکتا، دین اسلام کے نام پر قائم کی جانے والی ان مجالس کو دین کی تعلیمات سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

اور ہمارے پاک وہند میں تو ایسے میلوں اور مجلسوں کی سارا سال بھر مار رہتی ہے، جبکہ مصر کے خرافی لوگوں میں بدوی، رفاعی اور دسوقی کے نام پر، شہرِ عدن میں عدسی، اور ملکِ یمن میں زیلعی کے نام پر جو بدعات اپنائی جاتی ہیں، تمام محققین علمائے اسلام اور اہلِ بصیرت، اِن سب اعمال کے بدعت وضلالت ہونے پر متفق ہیں، اور جن لوگوں کو اِن افعال کے جواز پر اِصرار ہے، ان کا بھی شاید کوئی قصور نہیں، کیونکہ حلوے نے ان کی عقل ودانش پر ایسے پردے ڈال رکھے ہیں کہ انہیں اُس کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

بی بی کی صحنک اور رجبی وغیرہ :

بعض لوگ ماہِ رجب میں حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام کی صحنک تیار کرتے ہیں، جس کے کھانے میں شرکت کرنے والی عورتوں میں بعض شرطوں کا پایا جانا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت بی بی رضی اللہ عنہا کی

صحنک کو مرد نہ کھائیں اور کوئی کنیز نہ کھائے، وہ عورت بھی نہ کھائے جس نے دوسرا خاوند کیا ہے، جو نیچ قوم کا یا بدکار ہو وہ بھی نہ کھائے، اور اس نیاز میں فلاں فلاں ترکاری ضرور ہی شامل ہو، اور مسّی ومہندی بھی ضرور ہو ۔ (۲۰)

اور کچھ لوگ اسی مہینہ میں رجبی مناتے ہیں، ان امور کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ خودساختہ اور غیر اللہ کی نیازیں ہیں، اور وہ بھی صرف برِّصغیر کی تیّار کردہ۔

رجب کے کُونڈے اور ایک افسانہ

یہی حال حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا بھی ہے، جن کے مدعوین مہمانوں یا بالفاظِ دیگر "کونڈہ خوروں" کو پہلے یہ ہدایت کی جایا کرتی تھی کہ یہ اندر ہی اندر پکتے اور تیّار کیئے جاتے ہیں، انہیں اندر ہی کھائیں، اس مخصوص حلوے کو چھت کے نیچے تیّار کیا جاتا ہے اور چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے اسے باہر نہیں لے جایا جاسکتا۔ اُن کی یہ بات محض اس حد تک تو بہر حال معقول ہے، اور وہ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں چھت سے باہر لے جاکر نہیں کھائی جاتیں، بلکہ یہ "اندر کی چیز" ہے، اسے اندر ہی رہنا چاہیئے، باہر تو وہی چیز لائی جاسکتی ہے جو مذہبی، اخلاقی، طبعی اور معاشرتی ہر اعتبار سے جائز اور ناقابلِ اعتراض ہو، جبکہ یہاں کم ازکم دینی ومذہبی اعتبار سے معاملہ اِس کے برعکس ہے، کیونکہ کونڈوں کا آغاز کسی شرعی دلیل پر نہیں ہوُا بلکہ یہ تو محض ایک قصّے یا افسانے میں ظہور پذیر ہوئے ہیں، قرآن و سنّت اور سلفِ امّت کے یہاں یہ مروّجہ فعل ثابت نہیں ہے ۔

تو آیئے پہلے آپ کو اِن کونڈوں کو وجہٗ جواز بخشنے والی "داستانِ عجیب" کا خلاصہ سنادیں، لکڑہارے کی وہ داستان کچھ اس طرح ہے :

"ایک لکڑہارا مدینہ منورہ میں تنگدستی کی زندگی بسر کررہا تھا، تونگری کی تلاش میں وُہ مدینہ سے نکلا، اور بارہ سال کہیں بھی خوش حالی کی جھلک نظر

---

۲۰) تقویۃ الایمان شاہ اسماعیل شہید ص: ۸۴

نہ آئی، پیچھے بیوی نے وزیر محل میں نوکری اختیار کر لی، ایک دن جھاڑو دے رہی تھی کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا وہاں سے گذر ہوا، انھوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: آج کیا تاریخ ہے؟

کسی نے بتایا: آج رجب کی بائیس (۲۲) تاریخ ہے، فرمایا: اگر کوئی مشکل میں پھنسا ہوا ہو تو اس کو چاہیئے کہ نئے کونڈے لائے اور اُن میں پُوریاں بھر کر میرے لیئے فاتحہ پڑھے، پھر میرے وسیلے سے دُعاء مانگے، اگر اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہ ہوئی تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑ لے، یہ سن کر لکڑہارے کی بیوی نے اس پر عمل کیا اور اپنے شوہر کے صحیح وسلامت اور مال و دولت کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی دُعاء کی کونڈے اپنا رنگ دکھاتے ہیں، بارہ سال سے مارا مارا پھرنے والا لکڑہارا ایک مدفون خزانے کو پالیتا ہے، اور واپس آکر وزیر محل کے سامنے ایک شاندار گھر بنالیتا ہے۔

اچانک ایک دن وزیر کی بیگم کی نظر اپنے محل کے سامنے بنے ہوئے اُس شاندار مکان پر پڑی، اور پتہ چلا کہ یہ اُسی خادمہ کا گھر ہے جو یہاں جھاڑو دیا کرتی تھی، اسے منگوا کر اس کا راز پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ سب کونڈوں نے رنگ دکھایا ہے، وزیر کی بیگم کو کونڈوں کی اس "کرامت" پر یقین نہ آیا اور کہا: "تمہارے شوہر نے یہ مال کسی چوری ڈاکے کے ذریعے حاصل کیا ہوگا"

جیسے ہی اس نے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے ارشاد و کرامت کو جھٹلایا ویسے ہی اس کے میاں سے وزارت کا عہدہ جاتا رہا، حاسد و کینہ پرور جھوٹا وزیر غالب آگیا اور اس نے اس کے میاں کو خائن ثابت کر دیا، بادشاہ نے اس وزیر کو معزول کر کے اس کی تمام جائداد بحق سرکار ضبط کر لی اور اسے ملک چھوڑ جانے کا حکم دے دیا، میاں بیوی شہر سے نکل رہے تھے کہ بیوی کے پاس کل دو درہم تھے، ان میں سے انھوں نے ایک درہم کا خربوزہ خرید کر رومال میں باندھ لیا، تاکہ بھوک کے وقت کام آئے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دن بادشاہ کا بیٹا شکار پر گیا ہوا تھا جس کے واپس آنے میں کچھ دیر ہوگئی، نئے وزیر نے پھر کاری ضرب لگائی کہ کہیں معزول وزیر نے اُسے قتل نہ کروا دیا ہو۔بادشاہ کے حکم سے سرکاری کارندے گئے اور انھیں دربار میں حاضر کر دیا، جب معزول وزیر کی بیوی کے ہاتھ میں موجود رومال کو کھولا گیا تو اس میں خربوزے کی جگہ شہزادے کا سر بندھا ہوا پایا گیا، بادشاہ ان دونوں کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیتا ہے،اور جیل میں بند کر دیتا ہے''۔

وزیر اور اس کی بیگم کونڈوں کی کرامت پر یقین نہ کرنے کے نتیجہ میں سزائے موت کے انتظار میں جیل میں بند ہیں، وزیر اپنی بیگم سے کہتا ہے: ''مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی پر ظلم کیا ہو، نہ جانے ہمیں کس خطا کی پاداش میں یہ ذلّت ورسوائی مل رہی ہے؟'' وزیر کی بیگم نے کہا: '' آپ تو بے قصور ہیں، قصوروار تو میں ہوں کہ جس نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا انکار کیا''۔

چنانچہ وہ ساری رات توبہ کرتی رہی، خلاصی کی صورت میں کونڈے بھرنے کا عزم کرتی رہی، اِدھر انہوں نے کونڈوں کی عظمت کا اقرار کیا، اُدھر شہزادہ شکار سے گھر واپس آ گیا، بادشاہ اپنے بیٹے کو سلامت دیکھ کر بڑا حیران ہوا، اور وزیر کو جیل سے نکلوا کر ماجرا دریافت کیا، تو اس نے ادب و احترام سے کونڈے نہ بھرنے، ان کو جھٹلانے اور پھر رات جیل میں توبہ کر کے کونڈے بھرنے کے عہد کا واقعہ بیان کر دیا، بادشاہ نے اس وزیر کو دوبارہ بحال کر دیا، بلکہ خلعت سے بھی نوازا، پھر بادشاہ اور وزیر تو کیا، رعایا نے بھی کونڈے بھرنے کا اہتمام شروع کر دیا''۔

یہ عجیب وغریب داستان کونڈے بھرنے والوں کی دلیل ہے جو نہ تو آسمان سے نازل ہوئی ہے، نہ نبی رحمت ﷺ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئی ہے، اور نہ ہی خلفاءِ راشدین یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی طرف منسوب ہے، بلکہ قطعی من گھڑت

کہانی ہے، جو قرآن وحدیث تو دور کی بات ہے، کسی بھی معتبر کتاب میں مذکور نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے، بلکہ کسی منشی جمیل احمد کے منظوم کلام میں خوبصورت انداز سے یہ افسانہ ملتا ہے، جس کا خلاصہ ہم نے ذکر کردیا ہے۔ اسے الف لیلوی اور ہزار داستان نما ادبی شہ پارہ تو کہہ سکتے ہیں، مگر اِسے شریعت مان لیں، اِتنی بڑی حماقت کوئی صاحبِ عقل ودانش مسلمان کیسے کرسکتا ہے؟

اس افسانہ کے من گھڑت ہونے کے بعض دلائل :

اولاً :

جس ہستی یعنی حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف اس داستان کو منسوب کیا گیا ہے، اُن سے ایسے متکبّرانہ الفاظ کا صادر ہونا قطعاً بعید از عقل ہے ۔

ثانیا :

اس داستان کے جھوٹے ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مدینہ طیّبہ میں نہ کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے، نہ وزیر، خصوصاً جبکہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش ایک روایت کے مطابق ۸ر رمضان ۸۰ ھ اور دوسری کے مطابق ۱۷ر ربیع الاوّل ۸۳ ھ میں ہوئی، اور اُن کی وفات پر اتفاق ہے کہ ۱۵ر شوال ۱۴۸ھ ہے، اب تاریخِ اسلام کو دیکھ لیں، معلوم ہوجائے گا کہ اُن کی عمرِ عزیز کے تقریباً باون (۵۲) سال خلفائے بنی امیہ کے عہد میں گزرے جن کا دارالخلافہ دمشق تھا، اور باقی سال خلافتِ بنی عبّاس میں گزرے جنہوں نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا ۔

ان تاریخی حقائق سے معلوم ہوگیا کہ مدینہ میں کبھی کوئی بادشاہ تھا، نہ اس کا محل، نہ کوئی وزیر تھا، اور نہ ہی وزیر کا محل، البتہ جس ادیب وشاعر نے بادشاہ، وزیر اور ان کے محلّات بناڈالے، اسی نے لکڑ ہارے کا کردار بھی تراش لیا، اور ایک ادبی شہ پارہ لکھ مارا جسے ہم نے شریعت بناڈالا ہے۔

ثالثاً:

سابقہ دونوں تاریخی روایات کے مطابق امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش ۸رمضان یا ۱۷ربیع الاوّل ہے، ۲۲رجب نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ان کی تاریخِ وفات ہے، بلکہ وہ بالاتفاق ۱۵رشوال ہے، اب بتائیں یہ کونڈے کس خوشی میں بھرتے ہیں؟

اصل حقیقت:

درحقیقت بعض لوگوں کے نزدیک اُس دن نبی ﷺ کے کاتبِ وحی اور آپ ﷺ کے برادرِ نسبتی، امّ المؤمنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی، لہٰذا وہ تو عمداً اور دانستہ بُغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اظہار کے لیئے خوشی مناتے اور حلوہ پوری کے کونڈے بھر بھر کر تقسیم کرتے ہیں، جبکہ دیگر لوگوں کی کثیر تعداد بلاسوچے سمجھے، نادانستہ ہی ان کی خوشی میں شریک ہوجاتی ہے، پہلے تو اندر کا یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا تھا، اور اندر ہی اندر کھایا جاتا تھا، مگر جب دوسرے لوگوں کی ایک بھیڑ بھی اُن کے ساتھ شامل ہوگئی تو اب اُسے مذکورہ داستانِ عجیب کے ذریعے ایک نئی صورت دے دی گئی ہے۔ (۲۱)

اس داستان میں قرآن وسنّت کی تعلیمات سے رُوگردانی، نذر لغیر اللہ اور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی شان میں توہین وگستاخی کے پہلو بھی نکلتے ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کی بجائے سرِ دست ایسے من گھڑت قصے کہانیوں کو عمل کی بنیاد بنانے والوں سے صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا
کارِ طفلاں تمام شُدہ

۲۱) (مختصر از: "رجب کے کونڈے" مولانا فضل الرحمٰن، طبع دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور، ہفت روزہ الاعتصام لاہور، جلد ۳۹، شمارہ ۱۳، بابت ۲۶رجب ۱۴۰۷ھ بمطابق ۲۷مارچ ۱۹۸۷ء)

انوارِ قرآن وحدیث :

آیئے ! ایمان وعقیدہ کی تازگی کے لیئے قرآنِ کریم سے اللہ تعالیٰ کے بعض ارشادات اور احادیثِ شریفہ سے نبی اکرم ﷺ کے چند فرمودات ومعمولات کا بھی مطالعہ کریں تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ حاجت مندوں کو مشکلات میں گھر جانے کی شکل میں کسے پکارنا چاہیئے ؟ اور کس سے مشکل کشائی طلب کرنا چاہیئے ۔ اور وُہ کون سی ذات ہے جو ایسے وقت میں حاجتیں پوری کرنے اور مشکلات دور کرنے کے لیئے سُنتی اور مانتی ہے ۔ چنانچہ سورۃ بقرہ، آیت :۱۸۶ میں اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ☆ ﴾

” آپ سے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (کہ میں کہاں ہوں؟) تو فرمادیں کہ بے شک میں بہت قریب ہوں ۔ میں دُعاء مانگنے والے کی دُعاء قبول کرتا ہوں، جب بھی وُہ مجھے پکارتا ہے، لہٰذا انہیں چاہیئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں ۔ (یہ آپ انہیں سُنادیں) شاید کہ وہ راہِ راست پالیں “ ۔

اور سورۃ مؤمن، آیت :۶۰ میں ارشاد فرمایا :

﴿ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ﴾

” اور تمہارے رب نے فرمایا، کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سُنوں گا “ ۔

اور سورۃ تغابن، آیت :۱۳ میں فرمایا :

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ☆ ﴾

” اللہ کے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں پس مومنوں کو چاہیئے کہ صرف اللہ

تعالیٰ پر ہی توکل کریں''۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ بہت قریب ہے۔اور پکارنے والے جب بھی اسے پکارتے ہیں تو نہ صرف وُہ ان کی پکار سُنتا ہے بلکہ جو کچھ وُہ مانگتے ہیں وہ بھی دیتا ہے۔کوئی مانگنے والا تو ہو۔اور یہ بھی کہ چونکہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے، لہٰذا اہلِ ایمان مسلمانوں کو چاہیئے کہ صرف اُسی پر توکّل اور بھروسہ رکھیں اور دَر دَر کی خاک نہ چھانتے پھریں۔

اگر کبھی آزمائش کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو کوئی تکلیف آجائے تو اسے سوائے اُس کے کوئی بھی دُور نہیں کرسکتا۔اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کی طاقت رکھتا ہے جیسا کہ سورۂ نمل کی آیت: ۶۲ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ ﴾

''کون ہے جو مجبور و بے قرار کی دُعاء و پکار کو سُنتا ہے۔جبکہ وُہ اُسے پکارے اور کون اس تکلیف کو رفع کرتا ہے؟''۔

سورۂ انعام، آیت: ۱۷، اور سورۂ یونس، آیت: ۱۰۷ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ﴾

''اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اُسی کے سوا اُسے دُور کرنے والا دُوسرا کوئی نہیں ہے''۔

یہاں بات صاف ہوگئی کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے جس میں کوئی نبی یا وَلی اس کا سہیم وشریک نہیں۔لہٰذا صدقہ وخیرات صرف اللہ کے نام کریں۔یہی ذریعۂ ثواب ونجات اور باعثِ دفعِ بلا ہے۔اور غیر اللہ کے نام پر دی گئی نذر ونیاز نہ صرف یہ کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ تو صریح شرک اور گناہِ کبیرہ ہے۔

ماہِ رجب کے کونڈے بھی اِسی میں آتے ہیں۔ جعل سازوں اور شکم پرست جاہلوں نے انہیں رواج دیا۔ اور کچھ جاننے والے طبقہ کے افراد نے اپنی بھلائی اور فائدہ اسی میں دیکھا کہ لوگوں کو اسی راہ پر چلتے رہنے دینا چاہیئے تاکہ روزی روٹی کا چکر چلنے کے ذرائع میں سے ایک یہ بھی بحال رہے۔ بلکہ سیدھے سادے لوگوں کو ان کے خُودساختہ فضائل سُنا کر مزید پختہ کیا اور کونڈے بھرنے والوں کو گناہوں سے خلاصی اور جنّت کی بشارتیں دیں، اور دنیا میں اس فعل کو مُرادیں پوری ہونے کا ذریعہ بتایا۔

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈے بھرنے والوں کا یہ عقیدہ بالکل عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح ہے، جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نعُوذُباللہِ سُولی پر چڑھ کر ان لوگوں کے گناہ بخشوائے ہیں۔ یا پھر عیسائی گنہگار چرچ (گِرجا) میں جاکر اپنے گناہوں کا اعتراف اپنے پادری کے سامنے کرتے ہیں۔ اور وہ اُن کی بخشش کروادیتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ان ہردو کے عقیدہ میں باہم کیا فرق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت باقر رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ ایک ایسے اعلیٰ خاندان سے تعلّق رکھتے تھے جس میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ اُن کا گھر سونے چاندی کی چمک ودَمک سے روشن نہ تھا۔ بلکہ ان کے خاندان نے غربت وافلاس اور فقر وفاقہ میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ایمان کی روشنی کو کبھی گُل نہیں ہونے دیا۔

صحیح بخاری ومسلم میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

((مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّیٰ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی جَو کی روٹی مسلسل دودن پیٹ بھر کر نہ کھائی، یہاں

تک کہ رسول اللہ ﷺ کی رُوحِ طاہر قبض کر لی گئی''۔ (۲۲)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

((خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنَ الْخُبْزِ)). (۲۳)

''نبی ﷺ اِس حالت میں اس دنیا سے رُخصت ہوئے کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی تھی''۔

صحیح بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَنَّهُ مَشٰى اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِخُبْزِ الشَّعِيْرِ وَ اِهَالَةٍ سَنِخَةٍ ، وَ لَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ ﷺ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ))

''میں نبی ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور بدلی ہوئی ہوا والی چربی کا تیل لے کر حاضر ہوا۔ جبکہ نبی ﷺ اپنی ایک ذرع [آہنی جنگی لباس] مدینہ کے ایک یہودی کے یہاں گروی رکھ چکے تھے''۔

اور یاد رہے کہ گھر والوں کے لیئے جو لے کر ان کے بدلے میں یہ ذرع گروی رکھی تھی اور کتبِ حدیث و سیرت میں یہ بات معروف ہے کہ جب آپ ﷺ نے رحلت فرمائی تو اس وقت بھی آپ ﷺ کی ذرع ایک یہودی کے ہاں گروی پڑی تھی۔

آگے اسی مذکورہ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ بایں ہمہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے:

(مَا اَمْسٰى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ وَ لَا صَاعُ حَبٍّ). (۲۴)

---

۲۲)(بخاری ، کتاب الاطعمة و الرقاق ، مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی ۱۴۴۳/۳)

۲۳)(بخاری حدیث:۵۴۱۴) ۲۴)(بخاری:۲۰۶۹)

''آلِ محمد ﷺ کے پاس کسی رات بھی ایک صاع گندم یا ایک صاع دانے جمع نہیں رہے''۔

بھلا بتایئے کہ ایسی مقدس ہستی جس کے خاندان والوں اور اہلِ بیت کی غُربت وافلاس کا یہ عالَم تھا کہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور جس شخصیّت نے ایسی پاکیزہ خاندانی تربیّت اور عمدہ روایت کے مطابق پرورش پائی ہو، اُنہیں ان کونڈوں کے عمل اور حلوہ پُوریوں کا خیال کہاں سے آگیا؟ اور پھر جب یہ کام تابعین، تبع تابعین، محدّثین ومجتہدین اور ائمہ وفقہاء رحمہم اللہ میں سے کسی نے نہیں کیا تو آج اِن کونڈے خوروں کو آخر اس کے جواز کا ثبوت کہاں سے مِل گیا ہے؟

اوّلاً :

روایت و درایت اور نقل و عقل ہر اعتبار سے یہ فعل خود ساختہ اور غیر اسلامی ہے۔

ثانیاً :

ان لوگوں نے اگر کونڈوں کو مغفرت کا سَستا طریقہ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور انہی کے ذریعے وہ جنّت پانا چاہتے ہیں تو پھر یقین جانیں کہ یہ جنّت الحمقیٰ میں رہنے والی بات ہے۔ کیونکہ جب تک عملِ صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی، مغفرت نہ ہوگی۔ محض کسی بزرگ کی قرابت کے دعوے کام نہ آئیں گے۔ سورۃ ھود کی آیت: ۴۵ اور ۴۶ پڑھ کر دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے [کنعان] کی نسبت کیسا سخت جواب بلکہ ڈانٹ پلائی گئی تھی۔ سورۂ توبہ آیت: ۱۱۳ میں ہمارے نبی ﷺ کو بھی مشرکین کے لیئے دعائے مغفرت وشفاعت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

اور سورۂ بقرۃ آیت: ۲۵۵، یعنی آیۃ الکرسی میں :

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾

فرما کر واضح فرما دیا گیا ہے کہ دربارِ الٰہی میں اُس کے حکم کے بغیر کوئی بھی کسی

کی سفارش نہیں کر سکے گا۔

جب معاملہ اتنا سخت ہے، تو پھر شب وروز اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانیاں کرنے اور خود اپنے ہی بنائے ہوئے اعمال کو اختیار کرنے والے کی نسبت شفاعت کیسے ہوگی؟ اور حضرت امام جعفر صادق ؒ کی سفارش ہر گنہگار کے متعلق کیسے قبول ہوگی؟

اللہ کے بندو! ہاتھوں پر ہاتھ رکھے محض تمناؤں کی بناء پر جنت کے وارث بن جانے کی بجائے مسنون عمل کی دنیا میں آؤ۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور اُس ارشادِ نبوی ﷺ کو پیشِ نظر رکھو، جس میں آپ ﷺ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزّہراء، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور پورے خاندان وقبیلہ کو الگ الگ مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اپنے آپ کو آگ سے بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

(يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ! سَلِيْنِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً). (۲۵)

"اے فاطمہ بنتِ محمد ﷺ! مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگ لو، لیکن حکمِ الٰہی کے سامنے مَیں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا"۔

اگر عمل کے بغیر محض تمنا اور شفاعت کے سہارے نجات ومغفرت ممکن ہوتی تو اُن سادات کی ہوتی، مگر آپ ﷺ نے حقیقت واضح فرمادی ہے، تو اُن کے مقابلہ میں ہُما شُما کی حیثیت ہی کیا ہے؟

---

۲۵) (بخاری حدیث: ۲۶۰۲، مسلم حدیث: ۲۰۴، صحیح ترمذی: ۱۸۸۰۔۲۵۴۵، صحیح الجامع: ۷۹۸۲)

بائیس رجب کے کونڈے اور فاضل بریلوی احمد رضا خان کا فتویٰ:

کونڈوں کی رسم نہ صرف شیعہ بلکہ سنیّوں اور عموماً بریلوی حضرات میں بھی چلتی ہے، جبکہ اُن کے بانی فاضل بریلوی احمد رضا خاں اپنی معروف کتاب "احکامِ شریعت" میں ان کے خلاف فتویٰ دے چکے ہیں، اسکے حصّہ اول کے صفحہ:۵۵ پر وہ لکھتے ہیں:

علّامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

(وَمَن يَّكُونُ يَطْعَنُ فِي مُعَاوِيَةَ فَذٰلِكَ كَلْبٌ مِنْ كِلَابِ الْهَاوِيَةِ)

"جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتّوں میں سے ایک کتّا ہے"۔

چہ جائیکہ ان کے یومِ وفات [۲۲ رجب] کو ان کی موت کی خوشی میں کونڈے کرے۔ (۲۶)

ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی ﷺ سے جدا نہ ہوئے ہمہ وقت پاس رہتے اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کرتے، حضور رسولِ اکرم ﷺ کا ان کے دل میں جو احترام تھا، وہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا.

"ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت" جلد سوم ص:۴۴ پر فاضل بریلوی کا بیان مذکور ہے کہ ایک صحابی عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی شباہت کچھ کچھ سرکار سے ملتی تھی، جب وہ [دمشق] تشریف لاتے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے تخت سے سروقد ہو جاتے [اس لیئے کہ حضورِ اکرم ﷺ سے کچھ مشابہ تھے]. (۲۷)

---

۲۶)(بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص:۲۷-۲۳)۔

۲۷)(بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص:۵۷)

بدعاتِ ماہِ شعبان

ماہِ شعبان اور آتش بازی وغیرہ:

ماہِ شعبان سے متعلقہ بعض موضوعات کی وضاحت کر دینا بھی مناسب لگتا کہ اس ماہ میں کون کون سے اعمال مسنون ہیں؟ اور وہ کون کون سے افعال ہیں جو نہ صرف یہ کہ مسنون نہیں بلکہ بدعات ہیں؟ اسی طرح اس ماہ کی درمیانی یعنی نصف شعبان کی رات کی حقیقت کیا ہے؟ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور اس رات میں جو ایک مخصوص نماز ادا کی جاتی ہے، اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟ اُس رات جو آتش بازی اور چراغاں کی جاتی ہے، اُن کی حقیقت تو ہم ''جشنِ معراج'' کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا اُسے انہیں دُہرانے کی ضرورت نہیں.

ماہِ شعبان کے روزے:

دیگر اُمور کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس ماہ کے کسی خاص دن کو مقرر کیے بغیر اس میں بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتى نَقُوْلَ: لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتى نَقُوْلَ: لَا يَصُوْمُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ شَهْراً قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَاماً فِي شَعْبَانَ)). (۲۸)

''نبی ﷺ [نفلی] روزے اس کثرت سے رکھتے کہ ہم کہتے کہ شائد آپ ﷺ کسی دن کا روزہ بھی نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی مسلسل

---

۲۸)(بخاری: ۱۹۶۹، مسلم ۳۷/۸/۴، صحیح الترمذی: ۶۱۵، صحیح النسائی: ۲۲۱۵، ابن ماجہ: ۱۷۱۰)۔

روزے نہ رکھتے تو ہم سمجھتے کہ آپ ﷺ کبھی [نفلی] روزہ نہیں رکھیں گے، اور میں نے آپ ﷺ کو کسی بھی ماہ کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے رمضان کے، اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا''.

اس موضوع کی احادیث صحاح وسنن میں بکثرت ہیں، جن میں سے بعض میں تو کُلّہٖ کے الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے، مگر اُس کلّ سے مراد اکثر ہے نہ کہ مکمل مہینہ، کیونکہ صحیح مسلم ونسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((وَلَا صَامَ شَهْراً كَامِلاً قَطُّ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ غَيْرَ رَمَضَانَ)). (۲۹)

''نبی ﷺ جب سے مدینہ طیبہ آئے، سوائے رمضان کے آپ ﷺ نے کسی ماہ کے پورے روزے کبھی نہیں رکھے''.

عربوں میں ویسے بھی اکثر پر کُلّ کا لفظ بولا جانا معروف ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے امام عبداللہ ابن المبارکؒ سے نقل کیا ہے:

(وَهُوَ جَائِزٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ اِذَا صَامَ أَكْثَرَ الشَّهْرِ أَنْ يَّقُوْلَ: صَامَ الشَّهْرَ كُلَّهُ). (۳۰)

''کلامِ عرب میں یہ جائز ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ماہ کے اکثر دنوں کے روزے رکھے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس نے سارے ماہ کے روزے رکھے''

اور یہ بات تقریباً ہر زبان میں ہی معروف ہے۔

---

۲۹) مسلم مع نووی ۳۶/۸/۴، صحیح نسائی ۲۲۱۳

۳۰) (ترمذی مع التحفہ ۴۳۶/۳، وایضاً فتح الباری)

اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے:

﴿مَا صَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم شَهْراً كَامِلاً قَطُّ غَيْرَ رَمَضَانَ﴾.

"نبی ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے روزے کبھی بھی پورے نہیں رکھے".

اور اسی حدیث شریف میں آپ ﷺ کے نفلی روزوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(وَيَصُومُ حَتّٰى يَقُولَ الْقَائِلُ: لَا وَاللّٰهِ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى يَقُولَ الْقَائِلُ: لَا وَاللّٰهِ لَا يَصُومُ). (۳۱)

"آپ ﷺ کبھی اس تسلسل سے روزے رکھتے چلے جاتے کہ کہنے والا کہتا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ کوئی روزہ نہیں چھوڑیں گے، اور آپ ﷺ جب روزے ترک کرتے تو مسلسل ترک ہی کیے جاتے حتی کہ کہنے والا کہتا: وَاللّٰهِ! آپ ﷺ تو کبھی بھی [نفلی] روزہ نہیں رکھیں گے".

ان اور ایسی ہی دوسری احادیث کا مجموعی مفاد یہ کہ آپ ﷺ حسبِ موقع اور حسبِ فرصت کبھی مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے اور کبھی مسلسل چھوڑتے ہی چلے جاتے، جبکہ ہر ماہ کے ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے اور ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

ماہ شعبان کے بکثرت روزے رکھنے کی وجہ:

ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے تو ماہِ محرّم کے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں وارد ہے، البتہ آپ ﷺ نے محرّم سے بھی زیادہ شعبان کے روزے رکھے ہیں، اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کو ماہِ محرّم کے روزوں کا شعبان کے روزوں سے

۳۱) (بخاری مع الفتح ۲۱۵/۴ حدیث: ۱۹۷)

افضل ہونا بعد میں بتایا گیا ہو، اور عمر کے آخری حصّہ میں اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بکثرت روزے نہ رکھ سکے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اتفاق سے ماہِ محرّم میں سفر اور مرض وغیرہ کے عذر کی وجہ سے اس کے روزوں کی کثرت نہ فرما سکے ہوں"۔

علاّمہ یمانی امیر صنعانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں لکھا ہے:

"اس بات کا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ ماہِ محرّم کے روزوں کی فضیلت حرمت والے مہینوں میں سے سب سے زیادہ ہو، یعنی عام مہینوں کی نسبت سے تو شعبان کے روزے افضل ہوں، مگر حرمت والے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرّم اور رجب اس سے مستثنٰی ہوں، کیونکہ ان چار مہینوں کی فضیلت ماہِ رمضان کے سوا دوسرے عام مہینوں سے ویسے ہی زیادہ ہے، اور پھر ان زیادہ فضیلت والے مہینوں میں سے بھی ماہِ محرّم کے روزے زیادہ فضیلت والے ہوں"۔ (۳۲)

نبی ﷺ کے ماہِ شعبان کے اکثر روزے رکھنے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں، علاّمہ یمانی رحمہ اللہ نے سبل السلام میں اور دیگر شارحین نے اپنی اپنی کتب میں بعض روایات بھی نقل کی ہیں، جن میں اس کا سبب بھی مذکور ہے، مگر وہ چونکہ ضعیف روایات ہیں، لہٰذا اُن سے قطع نظر اس سلسلہ میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو کہ ابو داؤد و نسائی اور صحیح ابن خذیمہ میں ہے جس میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا، اے اللہ کے رسول ﷺ!

(لَمْ أَرَکَ تَصُوْمُ مِنْ شَهْرٍ مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ،

۳۲) (سبل السلام ۱/۲/۱۶۸)

قَالَ ذَالِکَ شَهْرٌ يَغْفَلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَ رَمَضَانَ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَ أَنَا صَائِمٌ)(۳۳)

''میں نے آپ ﷺ کو ماہِ شعبان جتنے [نفلی] روزے کسی دوسرے مہینے کے رکھتے نہیں دیکھا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور یہ مہینہ وہ ہے کہ جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل ایسی صورت میں اٹھایا جائے کہ میں روزے کی حالت میں ہوں''۔

ماہِ شعبان میں نبی ﷺ کے بکثرت روزے رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایامِ بیض اور پیر و جمعرات کے روزے آپ ﷺ اکثر رکھا کرتے تھے، اور کبھی بعض وجوہات کی بناء پر مسلسل یہ روزے نہ رکھ سکتے تو ان کی کمی پوری کرنے کے لیئے آپ ﷺ شعبان کے اکثر روزے رکھ لیتے تھے، اور اِسی مفہوم کی ایک حدیث بھی طبرانی اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، مگر وہ ضعیف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ استدلال ہے۔

ماہِ شعبان میں کثرتِ صیام کی ایک توجیہہ یہ بھی منقول ہے کہ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ماہِ رمضان میں قضاء ہونے والے روزے آپ ﷺ کے موجود ہونے کی وجہ سے مؤخر کرتی رہتیں، حتیٰ کے شعبان آجاتا تو وہ اپنے قضاء شدہ روزے رکھتیں، ساتھ ہی نبی ﷺ بھی نفلی روزے رکھ لیا کرتے تھے. (۳۴)

بہر حال آپ ﷺ ماہِ شعبان میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، اور نبی ﷺ

۳۳)(فتح الباری و سبل السلام)

۳۴)(فتح الباری، سبل السلام)

کی ہر سنت مبنی بر حکمت اور کسی نہ کسی برائی کو دور کرنے والی ہے۔عربوں میں ڈاکہ اور رہزنی عام تھی مگر حرمت والے چار مہینوں میں وہ بھی ان افعال سے رک جاتے تھے اور ماہِ رجب کے حرمت والا مہینہ ہونے کی وجہ سے اس میں وہ رکے رہتے اور شعبان کے شروع ہوتے ہی اِدھر اُدھر منتشر ہو جاتے تھے،اور اس ماہ کا نام شعبان رکھا جانے کی وجہ دیگر وجوہات کے علاوہ ایک یہ ''منتشر ہو جانا'' بھی ہے،جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:

(وَسُمِّيَ شَعْبَانُ لِتَشَعُّبِهِمْ فِي طَلَبِ الْمِيَاهِ أَوْ فِي الْغَارَاتِ بَعْدَ أَنْ يَّخْرُجَ شَهْرُ رَجَبٍ الْحَرَامُ وَهٰذَا أَوْلٰى مِنَ الَّذِي قَبْلَهُ وَقِيْلَ فِيْهِ غَيْرَ ذَالِکَ.) (۳۵)

''ماہِ شعبان کا یہ نام ان کے پانی کی طلب یا لڑائی ولوٹ مار وغیرہ کے لیئے منتشر ہو جانے کی وجہ سے ہی رکھا گیا، یہ چیزیں وہ رجب کے گزر جانے کے فوراً بعد ہی وہ شروع کر دیتے تھے۔یہ وجہ تسمیہ سب سے اولیٰ ہے اگر چہ اور بھی کئی ذکر کی گئی ہیں''

نبی ﷺ نے ان کی ان حرکات اور افعالِ قبیحہ کے مقابلے میں روزے رکھنے کی سنّت قائم فرمائی،جس میں ترکِ طمع ولالچ،ضبطِ نفس اور فاقہ کشی کی ریاضت ہے،جس سے غارت گری،لوٹ مار اور ظلم وتعدّی کی عادات خود بخود چھوٹ جاتی ہیں۔

نصفِ ثانیٔ شعبان کے روزے:

ماہِ شعبان کے روزے مطلق ہیں نہ کہ خاص پندرہ شعبان کا روزہ،کیونکہ خاص پندرہ شعبان کے بارے میں پائی جانے والی روایت ضعیف ہے،جس کی قدرے تفصیل بھی ہم تھوڑا آگے چل کر ذکر کرینگے،ان شآءاللہ،اور یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ شعبان کے بعد نفلی روزے نہیں

۳۵)(فتح الباری ۴/۲۱۳)

رکھنے چاہئیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا حَتّٰى يَكُونَ رَمَضَانُ). (۳۶)

"جب نصف شعبان ہو جائے تو بعد میں روزے نہ رکھو یہاں تک کہ ماہِ رمضان داخل نہ ہو جائے"

المرقاۃ میں ملا علی قاریؒ کے بقول، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ شعبان کے روزے چاہے کتنے ہی فضیلت والے کیوں نہ ہوں مگر ہیں تو نفلی، جبکہ آگے رمضان المبارک کے فرض روزوں کا مہینہ ہے، لہٰذا اُس کی تیاری کے لیئے قوّت جمع کی جائے تاکہ کہیں آدمی کمزوری وضُعف کا شکار نہ ہو جائے اور کہیں اُس مہینہ کے فرض روزوں میں قضاء کی نوبت نہ آجائے. (۳۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"شعبان میں کثرتِ صیام کی فضیلت یا نبیؐ ﷺ کے کثرتِ صیام کی سنت اور نصفِ ثانی کے روزوں کی ممانعت میں کوئی تعارض و تضاد نہیں، اور ان دونوں باتوں میں یوں مطابقت پیدا کرنا ممکن ہے کہ یہ ممانعت اُن لوگوں کے لیئے ہے جو عموماً سال بھر کے دَوران روزے رکھنے کے عادی نہ ہوں، اور کسی وجہ سے شعبان کے نصفِ ثانی میں شروع کردیں، جبکہ ہر ماہ میں جو شخص ایامِ بیض، ہر ہفتہ میں پیر و جمعرات یا ہر دوسرے دن کا روزہ یعنی صومِ داؤدی رکھنے کا عادی ہو، اُسے اِن ایام میں روزے رکھنے کی بھی ممانعت نہیں ہوگی، لہٰذا دونوں طرح کی احادیث کا تعارض ختم ہو گیا". (۳۸)

---

۳۶)(صحیح ابی داؤد : ۲۰۴۹، ترمذی مع التحفہ ۳/۴۳۷، ابن ماجہ :۱۶۵۱، مصنف عبد الرزاق ۴/۱۶۱:۷۳۲۵، صحیح الجامع للالبانی ۱/۶۸)

۳۷)(المرقاۃ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۳/۴۳۷)

۳۸)(دیکھیے :الفتح ۴/۲۱۵)

شعبان کے آخری ایک دو دنوں کا روزہ:

اسی طرح ہی ماہِ رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی بھی ممانعت ہے۔(۳۹)

ان دو یا صرف ایک روزے کی ممانعت بھی اُن لوگوں کے لیئے ہے جو رمضان المبارک کی ''سلامی'' کا روزہ سمجھ کر رکھیں۔ اور سال بھر کے عادی روزہ دار کا چونکہ ایسی باتوں یا ''سلامیوں'' سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی بات ہی الگ ہے، اور خاص شعبان کی آخری تاریخ کا روزہ محض اس شک کی بناء پر رکھنا کہ شاید چاند ہو گیا ہو مگر کسی وجہ سے نظر نہ آسکا ہو، لہٰذا ہم اُس دن کا روزہ رکھ لیتے ہیں، اس بات کی بھی نبی ﷺ نے سخت تردید فرمائی ہے، اور شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور بعض صحیح احادیث کی رو سے شک کے دن کا روزہ رکھنا نہ صرف ممنوع بلکہ حرام ہے، اور بعض محدّثین وفقہاء نے صَوْمُ یَومِ الشَّكِّ کو اَلْاَیَّامُ الَّتِي یَحْرُمُ صَوْمُهَا کے ضمن میں ہی ذکر کیا ہے۔ (۴۰)

شبِ قدر، شبِ براءت یا شبِ نصف شعبان:

پندرہ شعبان کے دن کا بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے، اور رات کو قیام کیا جاتا ہے۔ اور اس رات کو ''شبِ براءت'' کہا جاتا ہے۔ یا ''شبِ قدر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں اور فقہاء و محدّثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شبِ براءت یا شبِ قدر کے الفاظ کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی آج تک عربوں میں ایسے ناموں سے یہ معروف ہے، یہ نام صرف برِ صغیر تک ہی ہیں۔

---

۳۹) (دیکھیئے: بخاری: ۱۹۱۴، مسلم ۱۹۴/۷/۴، صحیح ابی داؤد: ۲۰۴۷، صحیح الترمذی: ۵۵۱، صحیح نسائی: ۵۲-۲۰۵۲، ابنِ ماجہ: ۱۶۵۰

۴۰) (دیکھیئے: موطا مالک بحوالہ جامع الاصول ۲۲۶/۷، ۲۳۱، ۲۳۳، صحیح ابی داؤد: ۲۰۴۶، ۲۰۴۶، صحیح نسائی: ۲۰۶۸، صحیح ترمذی: ۵۵۳، ابن ماجہ: ۶۴۵)۔

اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالے سے آیا ہے۔ اور ویسے بھی شبِ قدر یا شبِ براءت سے مُراد دراصل وُہ لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کر کے اِس اُمت کے لیے نظامِ زندگی مہیا کیا اور جادۂ حق کی طرف رہنمائی فرمائی تھی۔ لہٰذا یہ تعیّن کرنا ہوگا کہ نزولِ قرآن کی رات کون سی ہے اور کب ہے؟ اور قرآن کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا؟ اُس رات کی صراحت خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ﴾

”رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو، اور اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے مہینے کی تعیین فرمادی ہے جو کہ رمضان المبارک ہے۔ اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر سورۂ قدر میں موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ☆ ﴾

”ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا“

اور پھر یہ شبِ قدر صحیح احادیث کی رو سے ماہِ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر اُن میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اور نزولِ قرآن کی اس رات کو سورۂ دُخان کے شروع میں شبِ مبارک کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ حٰمٓ ☆ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ☆ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ☆ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ☆ أَمْراً مِنْ عِنْدِنَا﴾

''حاءمیم۔ قسم ہے اِس کتابِ مبین کی، ہم نے اِسے ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ اور ہم لوگوں کو (اپنے عذاب سے) متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم لے کر''

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں۔ اُن کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کردیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیدائش واموات ،خوشی وغم اور رزق وفقر کے جو بھی فیصلے ہوتے ہیں وُہ اُسی مبارک شب میں ہوتے ہیں۔ جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور وہ شبِ مُبارک، شبِ قدر، رمضان میں ہے نہ کہ ماہِ شعبان میں۔ اور شب فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا اور قدر تو ہر دو زبانوں میں مشترک ہے، لہٰذا ''لیلۃ القدر'' کو فارسی میں ''شبِ قدر'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو دیا ہے۔

تفسیر لیلۃ مبارکۃ

سورۂ دخان کی مذکورہ آیت میں جو ﴿لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ﴾ کے الفاظ آئے ہیں ان سے بعض لوگوں نے پندرہ شعبان کی رات مراد لی ہے۔ لہٰذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ دخان کی مذکورہ آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے ذکر کردی جائے۔

تفسیر خازن : چنانچہ معالم التنزیل المعروف تفسیر خازن میں ہے :

(قَالَ قَتَادَةُ وَ ابْنُ زَيْدٍ هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَنْزَلَ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ)

''حضرت قتادہ اور ابنِ زید رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے وہ

لیلۃ القدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کیا"۔

اور آگے لکھا ہے :

(قِيلَ: هِي لَيْلَةُ النِّصفِ مِنْ شعْبَان) . (۴۱)

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے"۔

اور یہاں یہ بات یادر ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک جو بات صحیح تر ہواُسے پہلے معروف کے صیغے سے ذکر کر دیا جاتا ہے، اور جو غیر معتبر اقوال ہوں انہیں مجہول کے صیغہ "قِيلَ" کے بعد لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے اور ایسے ہی دیگر مقامات اور دیگر مسائل میں بھی ہوتا ہے ۔لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ امام خازن کے نزدیک حضرت ابوقتادہؓ اور ابن زیدؒ کی تفسیر ہی زیادہ معتبر اور صحیح تر ہے۔ اور ان کے نزدیک یہاں لیلۃ مبارکۃ سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مُراد ہے نہ کہ نصف شعبان والی رات اور یہ دوسرا قول ضعیف و مرجوح ہے۔

تفسیر جامع البیان : تفسیر جامع البیان میں جمہور اہلِ علم کا مسلک یہی ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے۔ البتہ مرجوح قول ذکر کرنے کے لئے یہ بھی لکھا ہے :

(وَ عَنْ بَعْضٍ: هِي لَيْلَةُ النِصفِ مِنْ شَعْبَانَ) . (۴۲)

"بعض کے نزدیک اس سے نصفِ شعبان کی رات مراد ہے"۔

تفسیر جلالین : دوسری مختصر و جامع تفسیر جلالین میں تفسیر المدارک کے حوالے سے لکھا ہے :

(هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةُ النِّصفِ مِنْ شَعْبَانَ) .

"اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلہ القدر ہے، یا پھر نصف شعبان والی رات"

۴۱)(تفسیر خازن ۱۴۳/۵)

۴۲)(جامع البیان ص:۴۲۰)

اور آگے اس لیلۃ مبارکۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات میں قرآنِ کریم ساتویں آسمان [لوحِ محفوظ] سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا، اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے:

(وَ الْجُمْهُوْرُ عَلَى الْأَوَّلِ). (۴۳)

''جمہور اہلِ علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی (یعنی رمضان المبارک والی لیلۃ القدر) ہی مراد ہے''۔

تفسیر فتح القدیر: معروف محدّث و مجتہد اور مفسّرِ قرآن امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

(اللَّيْلَةُ الْمُبَارَكَةُ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ وَ لَهَا أَرْبَعَةُ أَسْمَاءٍ، اللَّيْلَةُ الْمُبَارَكَةُ، لَيْلَةُ الْبَرَاءَةِ لَيْلَةُ الصَّكِّ، وَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ).

''الليلة المباركة سے مُرادلیلۃ القدر ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ میں مذکور ہے، اور اس کے چار نام ہیں: لیلہ مبارکہ، لیلۃ البراءۃ، لیلۃ الصك [یعنی قراردادوں کی رات] اور لیلۃ القدر''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''عکرمہؒ نے اس سے نصفِ شعبان کی رات مراد لی ہے، مگر حق یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ اس سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے، کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مجمل ذکر فرمایا ہے، مگر سورۂ بقرۃ کی آیت: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ میں واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح سورۂ قدر: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ میں بھی وضاحت موجود ہے۔ اور اس واضح بیان کے بعد کوئی وجہ ہی نہیں رہ جاتی

۴۳) (تفسیر جلالین ص: ۴۱۰)

کہ اختلاف کیا جائے۔ اور نہ ہی کسی شک و شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے"۔(۴۴)

تفسیر ابن عباسؓ: ترجمان القرآن حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس رات سے رمضان والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔

تفسیر کبیر: امام رازی نے لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

(اَلْقَائِلُوْنَ بِأَنَّ الْمُرَادَ مِنَ اللَّيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَمَا رَأَيْتُ لَهُمْ دَلِيْلاً يُعَوَّلُ عَلَيْهِ). (۴۵)

"جو لوگ کہتے ہیں کہ [سورۂ دخان] کی اس مذکورہ آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، ان کے پاس کوئی قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے"

تفسیر ابن کثیر: اسی طرح امام ابنِ کثیر نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں جمہور کے مسلک کی ہی تائید کی ہے کہ اس رات سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی ہے، اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

(مَنْ قَالَ أَنَّهَا لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ أَبْعَدَ النَّجْعَةَ فَإِنَّ نَصَّ الْقُرْآنِ أَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ). (۴۶)

"جو شخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہے اس کی بات "دور کی کوڑی" یا بعید از حقیقت ہے۔ کیونکہ نصِ قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے"۔

---

۴۴)(فتح القدیر ۵۷۰/۴، تفسیر آیت البقرہ ۱۸۵ و سورۃ القدر)

۴۵)(التفسیر الکبیر للامام الرازی)

۴۶)(ابن کثیر، مختصر الرفاعی ۱۹/۴ طبع اول)

احکام القرآن : اور قاضی ابوبکر ابن العربی، اَحکام القرآن میں رقمطراز ہیں:

(جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ عَلیٰ أَنَّهَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ وَ مِنْهُمْ مَنْ قَالَ : اِنَّهَا لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَهُوَ بَاطِلٌ ، لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَالَ فِیْ کِتَابِهِ الصَّادِقِ الْقَاطِعِ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنَ﴾ فَنَصَّ عَلیٰ أَنَّ مِیْقَاتَ نُزُوْلِهِ رَمَضَانَ ،ثُمَّ عَبَّرَ عَنْ زَمَانِیَّةِ الَّلیْلِ هٰهُنَا بِقَوْلِهِ: ﴿فِي لَیْلَةٍ مُبَارَکَةٍ﴾،وَ لَیْسَ فِيْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِیْثٌ یُعَوَّلُ عَلَیْهِ لَا فِيْ فَضْلِهَا وَ لَا فِيْ نَسْخِ الْآجَالِ فِیْهَا فَلَا تَلْتَفِتُوْا اِلَیْهَا) .(۴۷)

''جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔اور پندرہ شعبان والا قول باطل ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صادق اور قاطع نزاع کتاب [قرآنِ کریم] میں فرمایا ہے:''رمضان المبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا''۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے نص مہیّا فرمادی کہ نزولِ قرآن کا مہینہ ماہِ رمضان ہے۔پھر یہاں اُس رات کے وقت کو اِن الفاظ میں تعبیر فرمایا کہ'' اس مبارک رات میں'' اور نصف شعبان والی رات کی فضیلت اور نسخِ آجال یا تقدیر کے بارے میں کوئی قابلِ اعتبار واعتماد حدیث نہیں ہے''.

اِن تفسیری حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سورۂ دخان کی آیت ۳ میں مذکور رات رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، نہ کہ ۱۵رشعبان والی رات

اور تفسیری کتب کی طرح ہی شروحِ حدیث میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔مثلاً :

معروف حنفی محدّث ملاّ علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں

---

۴۷)(احکام القرآن ۱۶۹/۴،الابداع في مضار الابتداع ص:۲۹۱وفوائد سلفیة للأستاذ محمد عبدہ الفلاح) .

لکھتے ہیں:

''بعض اسلاف کا خیال ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن یہ قول نصوصِ قرآن کے مخالف ہے، کیونکہ قرآن کا نزول رمضان میں لیلۃ القدر میں ہے۔ لہٰذا اللیلۃ المبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اس طرح آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے''.(۴۸)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری تحفۃ الأحوذي شرح جامع ترمذي میں رقمطراز ہیں:

''بے شک آیت ﴿اِنَّـا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ میں لیلہ مُبارکہ سے مراد جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر ہے، بعض اُسے نصف شعبان کی رات سمجھتے ہیں مگر یہ قول مرجوح وضعیف ہے''(۴۹)

شبِ براءت منانے کے چھ طریقے

سابقہ تفصیلات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کے یہ مروّجہ نام، شبِ قدر یا شبِ براءت، کتبِ تفسیر وحدیث میں نہیں پائے جاتے، اور اس رات کا جو ذکر آیا ہے وہ صرف نصفِ شعبان کی رات کے حوالہ سے ہے، اور جہاں تک اس رات کو منانے کا تعلق ہے، تو ہمارے یہاں اس کے پانچ مختلف انداز اور طریقے مروّج ہیں:

اُس شام کو اچھے اور عمدہ کھانے یا حلوے مانڈے تیار کیئے جاتے ہیں اور انہیں خود تیار کرنے والے ہی مل بیٹھ کر مزے لے لے کر کھاجاتے ہیں.

آتش بازی اور چراغاں کیا جاتا ہے، خوب گولہ بارود چلایا اور فضول خرچی کی جاتی ہے.

بعض لوگ اس رات کے استقبال کے لئے گھروں کو صاف کرتے اور خوب

۴۸)(بحوالہ تحفۃ الأحوذي ۲/۴۴۲)

۴۹)(التحفۃ ایضاً)

سجاتے ہیں، اور یہ سب اس عقیدہ کے پیشِ نظر کیا جاتا ہے کہ اس رات فوت شُدگان کی روحیں واپس آتی ہیں

بعض جگہوں پر لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور بعض اوقات اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت اور دعاء کے لیئے جاتے ہیں



اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے۔

اس رات کو ذکر و عبادت کی جاتی ہے.

پہلا طریقہ:

حلوے مانڈے پکانا کھانا:

جہاں تک اس پہلے طریقہ یعنی اچھے اور عمدہ کھانے اور حلوے مانڈے تیار کرنے اور کھانے کا تعلق ہے، تو یہ اسلامی تہواروں کی علامت سمجھے جاتے ہیں، جبکہ نصف شعبان کی رات کو سرے سے اسلامی تہوار کہا ہی نہیں جا سکتا، اور اسے عیدین یا حج کی شکل دینا غلط ہے، اور اگر کوئی کہے کہ ہم تہوار سمجھ کر ایسا نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اچھے کھانے پکانا کسی بھی دن جائز نہ ہو؟ اِس سلسلہ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ بلا شبہ اسراف و تبذیر یعنی فضول خرچی کے ضمن میں نہ آنے والے کھانے تیار کرنے میں واقعی کوئی حرج نہیں، لیکن اگر یہ ہر روز یا اکثر ایّام میں معمول ہو، اور اگر یہ صرف پندرہ شعبان کی شام کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو معاملہ یقیناً مشکوک سا ہو جاتا ہے، اور مشکوک سے احتراز ہی مؤمن کی شان ہے .

اب ہر شخص اپنے عمل کا جائزہ خود لے سکتا ہے کہ وہ یہ حلوے تہوار سمجھ کر تیّار کرتا ہے یا معمول کے مطابق ہی تیّار کیئے جاتے ہیں؟ ویسے بظاہر چرب لسانی سے چاہے کوئی کچھ بھی ثابت کرتا پھرے لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ تہوار ہی شمار کیا جاتا ہے، اور بعض حلوہ خور مذہبی پیشواؤں نے یہ رسم اپنے مخصوص مفادات کے لیئے جاری کی ہے، جو اگر اِسی تہوار کے نظریہ سے معمول بہ رہے تو پھر یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

اور ایسی رسوم کو جاری کرنے کے لیئے بڑے عجیب وغریب ثبوت بھی دیئے جاتے ہیں اور اس رات کو حلوہ پکانا سنت قرار دیا جاتا ہے، ایسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''ما ثبت بالسنۃ'' کے (ص:۲۱۴) پر فضائلِ شعبان کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اس رات سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور اسی رات رسول اللہ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے حلوہ تناول فرمایا تھا، یہ بالکل لغو اور بے اصل بات ہے، کیونکہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ غزوۂ اُحد ماہِ شوال ۳ھ میں واقع ہوا تھا نہ کہ شعبان میں، لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ آج حلوہ ہی واجب اور ضروری ہے، بدعت ہے، بعض لوگ مسور اور چنے کی دال پکانے کا اہتمام کرتے ہیں، یہ بھی حلوہ کی طرح ہی ہے.

بس صحیح بات یہ ہے کہ حسبِ معمول کھانا پکانا چاہیئے، اور اس رات کو تہوار نہیں بنانا چاہیئے۔

معروف حنفی عالم علامہ عبد الحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ کا اس رات کے حلوے کے بارے میں فتویٰ ہے کہ اس کے متعلق کوئی نص نفی یا اثبات میں وارد نہیں، لہٰذا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندیٔ رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم ہوگی، ورنہ کوئی حرج نہیں ۔ (۵۰)

ایسے ہی شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں فرمایا ہے:

(وَكَذٰلِكَ اتِّخَاذُهُ مَوْسِماً تُصْنَعُ فِيهِ الْأَطْعِمَةُ وَتُظْهَرُ فِيهِ الزِّينَةُ هُوَ مِنَ الْمَوَاسِمِ الْمُحْدَثَةِ الَّتِي لَا أَصْلَ لَهَا). (۵۱)

---

۵۰) (فتاویٰ عبد الحیٔ مترجم ص:۱۱۰) ۵۱) (اقتضاء الصراط المستقیم ۶۳/۲)

"اور اسی پندرہ شعبان کی رات کو تہوار منانا، کھانے پکانا اور زیب و زینت کا اظہار کرنا بھی ہے، اور یہ سب بدعات کے قبیل سے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے"

دوسرا طریقہ :

چراغاں و آتش بازی کرنا، دین کو کھیل تماشہ بنانا:

شبِ براءت کے منانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس رات بڑے زور و شور سے آتش بازی کی جاتی ہے، گولہ بارود چلایا جاتا ہے، پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں موم بتیاں اور شمعیں جلا کر چراغاں کیا جاتا ہے، اس کا آغاز اور اسبابِ آغاز حتی کہ اس کے جانی و مالی نقصانات بالتفصیل جشنِ معراج کے ضمن میں ذکر ہو چکے ہیں، اور اُس پر مستزاد یہ کہ آتش بازی کے ساتھ کسی دن یا تہوار منانے کا اسلام میں سرے سے کوئی تصوّر ہی نہیں، بلکہ شرعاً یہ افعال قبیح و مذموم ہیں، کیونکہ ضرورت سے زیادہ کسی جگہ بھی روشنی کرنا اور لاتعداد شمعیں جلانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کُھلا اِسراف و تبذیر اور صریح فضول خرچی ہے، جسے اللہ نے قرآنِ کریم میں ممنوع قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۶۔۲۷ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ☆ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ☆﴾

"اور بے جا فضول خرچی نہ کرو، بیشک بے جا مال اُڑانے والے شیطان کے بھائی [دوست و تابع] ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"۔

یہاں اسراف و تبذیر یا فضول خرچی کو ایک شیطانی فعل اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی اور پیروکار کہا گیا ہے، کیونکہ جو شخص اپنے مالکِ حقیقی کے دیئے ہوئے مال کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے، وہ شیطان ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

حضرت محدّث دہلویؒ اپنے تفسیری حواشی موضح القرآن میں فرماتے ہیں:

''یعنی مال بڑی نعمت ہے اللہ کی، جس سے خاطر جمع ہو عبادت میں اور درجے بڑھیں بہشت میں، اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے''۔

جس طرح تبذیر کی قباحت وممانعت آئی ہے، ایسے ہی قرآنِ کریم کے متعدد مقامات پر اِسراف کی مذمت کی گئی ہے جیسا کہ سورۂ انعام، آیت:۱۴۱ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ☆﴾

''اور اپنے مال کو بے جامت اڑاؤ، کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ بے جا مال اڑانے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا''۔

سورۂ اعراف کی آیت:۳۱ میں فرمایا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ☆﴾

''کھاؤ اور پیو، اور اڑاؤ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا''

سورۂ فرقان، آیت:۶۷ میں مؤمنوں اور اللہ والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ☆﴾

''اور وہ لوگ بھی اللہ کے محبوب بندے ہیں جو خرچ کرتے وقت بیکار اپنا پیسہ نہیں اڑاتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں کہ جائز ضرورت میں بھی نہ اٹھائیں اور اِن کے بیچ بیچ میں ان کا خرچ رہتا ہے''۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ تبذیر اور اِسراف میں فرق ہے، حلال وجائز مقام پر حدِّ اعتدال اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اِسراف ہے،

جبکہ حرام وناجائز مقام پر خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے اور اس کے لیۓ قلیل وکثیر کی کوئی حد نہیں بلکہ اگر ایک پیسہ بھی خرچ کرے گا تو حرام ہوگا اور ایسا شخص شیطان کا بھائی اور پیروکار ٹھہرے گا۔

علاوہ ازیں یہ آتش بازی وچراغاں دین حق کے ساتھ ایک صریح اور بھونڈا مذاق ہے، اور دشمنان دین کی سازشی کاروائیوں کو عملی جامہ پہنا کر اُن سے تعاون اور اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف ہے، اور اپنے دین کو لہو ولعب یا کھیل تماشا بنا دینا عذابِ الٰہی کو آواز دینے والی بات ہے۔ قرآنِ کریم پڑھ کر دیکھیں کہ پہلی قوموں میں سے جن اقوام نے اپنے دین کو تماشا بنایا اُن کا کیا انجام ہوا؟ اور انہیں کن کن عذابوں میں مبتلا کیا گیا؟ ہمیں اُن قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے ورنہ عذابِ الٰہی کوئی دور نہیں ہے۔

اس سلسلہ سورۂ انعام، آیت: ۷۰ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِباً وَّ لَهْواً وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ☆﴾

''چھوڑ ان لوگوں کو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیۓ ہوئے ہے، ہاں! مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہیں کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے اور اگر گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی ومددگار اور کوئی سفارشی اس کے لیۓ نہ ہو، اور اگر وہ ہر ممکن

چیز بھی فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے، کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجہ میں پکڑے جائیں گے، ان کو اپنے انکارِ حق کے معاوضہ میں کھولتا ہوا پینے کو پانی اور دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا"۔

اور سورۂ اعراف، آیت: ۵۰-۵۱ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ☆ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ☆﴾

"اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو، وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں اُن منکرینِ حق پر حرام کردی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنالیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) آج ہم بھی انہیں اُسی طرح بھلادیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے"۔

ان آیات میں اقوامِ ماضی اور اممِ سابقہ کو جو وعیدیں سنائی گئی ہیں، ہمیں اُن سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور اپنے دین کو آتش بازی اور چراغاں وغیرہ سے کھیل تماشا نہیں بنالینا چاہیئے

تیسرا طریقہ:

گھروں کی صفائی اور فوت شدگان کی روحوں کی آمد کا نظریہ:

پندرہ شعبان کی رات کو منانے کا تیسرا مروّجہ طریقہ یہ ہے کہ اس رات کے استقبال کے لیئے گھروں کو صاف کیا جاتا ہے، اور صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ سجاوٹ کی جاتی ہے، اور اس میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ فوت شدگان کی روحیں واپس آتی ہیں.

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صفائی ستھرائی اپنے بدن کی ہو، لباس و پوشاک کی ہو، یا گھر کی، یہ سب چیزیں اسلام میں مرغوب ومحبوب ہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیمات میں تو اسے جزِ وِایمان قرار دیا گیا ہے، اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے حتی کہ ایک صحیح حدیثِ شریف کا جزِ واوّل تو زبان زدِ خاص وعام ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(الطَّهُورُ شَطْرُ الْإِيْمَان) .(۵۲)

''طہارت وپاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے''۔

اس حدیث کا اطلاق مسلمانوں کی پوری زندگی کے ہر ماہ وسال اور شب وروز پر ہوتا ہے، تو پھر اس حکم کو صرف ایک رات کے ساتھ خاص کیوں کیا جائے؟ اور پھر جمعہ وعیدَین کے دنوں میں اللہ ورسول اللہ ﷺ کو بطورِ خاص طہارت وپاکیزگی مطلوب تھی تو اُس کا الگ سے حکم موجود ہے، لیکن اِس رات کے استقبال کے لیئے اس فعل کی بطورِ خاص کوئی دلیل نہیں، ہاں اگر مطلق حکمِ طہارت پر عمل پیرا ہونے کی مسلسل توفیق حاصل ہو تو حسبِ معمول اِس رات میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر تہوار سمجھ کر اور روحوں کی آمد کے عقیدہ سے ہو تو پھر جب یہ دونوں ہی چیزیں بے دلیل ہیں تو ہمارا یہ فعل بھی کسی تردید کا محتاج نہیں رہتا.

پندرہ شعبان کی شام کو گھروں کی صفائی ستھرائی اور سجاوٹ کی تہہ میں کارفرما

۵۲) (مختصر مسلم: ۱۲۰، مسند احمد ۵/۳۴۲، صحیح ترمذی ۲۷۹۱ صحیح الجامع: ۳۹۵۷).

نظریہ، کہ اس رات فوت شدگان کی روحیں واپس آتی ہیں، یہ عقیدہ سراسر باطل ہے، قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، مرنے کے بعد کسی کی روح کا واپس آنا نہ شعبان کی اس رات میں ممکن ہے اور نہ کسی دوسرے دن میں، ہمارے برِصغیر کے معاشرے میں مخصوص حلوہ کھانے اور کھلانے کے شوقین بعض مذہبی پیشواؤں نے تو اپنے مخصوص مفادات کے لیئے روحوں کی آمد ورفت کا باقاعدہ ایک چارٹ مہیّا کر رکھا ہے جس کے مطابق وہ عوام سے فوت شدگان کے نام پر کھاتے، پیتے اور کپڑے کی شکل میں نذرانے وصول کرتے رہتے ہیں.

اُن حضرات کے مطابق تیجے [یعنی تیسرے] ساتے [یعنی ساتویں] اور دسویں دن حتی کہ میت کی روح چالیس دن تک مسلسل اپنے گھر آتی رہتی ہے، اور پھر مومنین کی روحیں ہر ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعرات کو اور ہر سال میں ایک رات یعنی شبِ براءت [۱۵ شعبان] کو آتی ہیں اور ان کا ایک سالانہ "ٹور" شاید برسی کے دن ہوتا ہوگا۔

یہ نظریہ وعقیدہ اہل سنت کے متفقہ عقائد کی رو سے صحیح نہیں بلکہ باطل ہے، کیونکہ فوت شدگان برزخی زندگی سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور عالم برزخ کا عالمِ دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا، اور کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ اس رات روحیں اپنے گھروں میں واپس آتی ہیں بلکہ قرآنِ کریم، سورۂ مومنون، آیت: ۹۹۔۱۰۰ میں تو اس کی واضح تردید موجود ہے۔ بد عملی میں مبتلا لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے افعال سے باز نہ آئیں گے:

﴿حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ☆ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَةٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ☆﴾

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کردے گا کہ اے میرے رب! مجھے اُس دنیا میں واپس بھیج دے، اُمید

ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا جسے چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے، اب ان سب مرنے والوں کے پیچھے برزخ [پردہ] حائل ہے، جو دوسری زندگی کے لیئے اٹھائے جانے کے دن [قیامت] تک رہے گا''۔

بعض لوگ تیسویں پارے کی سورۃ القدر کے الفاظ:

﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيهَا﴾

سے دھوکہ کھاتے یا مغالطہ دیتے ہیں اور ان الفاظ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ''اس رات (یعنی لیلۃ القدر) میں فرشتے اور روحیں اُترتی ہیں''، اور یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس سے روحوں کا اترنا ہی مُراد ہے، حالانکہ اوّل تو وہاں مذکورہ رات سے مُراد رمضان المبارک والی رات [لیلۃ القدر] ہے نہ کہ شعبان والی، دوسرے یہ کہ اِن اور ایسے ہی دیگر الفاظ میں رُوح سے مراد فوت شدگان کی روحیں نہیں بلکہ روح الأمین حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ (۵۳)

اور پھر اسی ایک آیت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح سے تعبیر نہیں کیا گیا بلکہ قرآنِ کریم کے دیگر متعدد مقامات پر بھی انہیں روح الامین اور روح القدس کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: ۸۷ اور ۲۵۳ میں روح القدس سے مراد جبرائیل ہے یا وحیٔ الٰہی کا علم ہے اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی روحِ پاک مراد ہے جسے اللہ نے قدسی صفات بنایا تھا، پھر سورۂ مائدہ، آیت: ۱۱۰ میں بھی یہی بات مذکور ہے، سورۂ نحل کی آیت: ۲ میں روح سے مراد روحِ نبوّت یا علمِ وحی ہے، فوت شدگان کی روحیں نہیں، سورۂ نحل ہی کی آیت: ۱۰۲ میں روحُ القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، سورۂ شعراء، آیت: ۱۹۳، سورۂ معارج، آیت: ۴ اور سورۂ نباء، آیت: ۳۸ میں روح الامین اور روح سے مراد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

---

۵۳) (... تراجم قرآن بشمول ترجمہ فاضل بریلوی)

الغرض اُوپر سے نیچے اُترنے اور نیچے سے اُوپر چڑھنے کے حوالہ سے قرآنِ کریم میں جہاں کہیں بھی ''رُوح'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام ہی مراد ہیں نہ کہ فوت شدگان کی روحیں.

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شعبان کی شام کو روحوں کی آمد اور ان کے استقبال کی نیت سے جھاڑ پونچھ، صفائی ستھرائی اور تزئین وسجاوٹ کرنا محض ایک خود ساختہ عقیدہ ہے، جسے قرآن وسنت سے کوئی دلیل نصیب نہیں، لیکن اگر کوئی بلکہ عموماً لوگ روزانہ ہی صفائی کرتے ہیں، وہ حسبِ معمول ہی اس شام بھی کرتے ہیں تو پھر کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک مرغوب فعل ہے.

چوتھا طریقہ :

اجتماعی شکل میں زیارتِ قبور:

نصفِ شعبان کی رات کو منانے کا چوتھا طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

اِس سلسلہ میں عرض ہے کہ یوں تو کسی بھی دن یا کسی بھی رات مسنون طریقہ سے زیارت جائز ہے، بلکہ نبی ﷺ نے تو اس کی ترغیب دلائی ہے کہ یہ فکرِ موت و ذکرِ آخرت میں معاون ہوتی ہے، اور زیارت کے وقت جو دعاء ہے، وہ بھی صحیح احادیث میں ثابت ہے، اور زیارتِ قبور کی تین قسمیں ہیں، جن میں سے شرکیہ اور بدعیہ کو چھوڑ کر صرف شرعیہ کے پیشِ نظر محض موقع بموقع صرف اپنے گاؤں کے قریبی قبرستان میں جایا جاسکتا ہے، لیکن وہ بھی صرف انفرادی شکل میں ہو تو مفیدِ مطلب ہے اور یہ زیادہ عبرت انگیز بھی ہوگی، اور جب بہت سارے لوگ مل کر قبرستان میں جائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہیں وہ عبرت حاصل نہیں ہوسکتی جو اکیلے شخص کے لئے ممکن ہے، اور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ اس غرض سے جو زیارتِ

قبور کے لیئے تشریف لے گئے تو اکیلے تھے، ''باجماعت'' نہیں تھے۔

نبی ﷺ تو زیارت کے لیئے اکیلے جائیں اور ہم ''باجماعت'' وہاں جانکلیں تو یہ اتباع نہیں ابتداع ہے، سنت نہیں بدعت ہے، باعثِ ثواب نہیں موجبِ عذاب ہے، اور پھر نصفِ شعبان کی اس رات کی فضیلت کے پیشِ نظر بطورِ خاص زیارت کے لیئے جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت بھی نہیں، اور اس سلسلہ میں کی جو روایت بیان کی جاتی ہے، محدثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، خود امام ترمذی نے اس روایت کے بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ وہ اس روایت کو ضعیف کہتے تھے، اور اس روایت کی سند میں پائے جانے والے دو جگہوں کے انقطاع کو بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں حجاج اور یحییٰ کے مابین اور پھر یحییٰ اور عُروہ کے مابین بھی انقطاع ہے کیونکہ یحییٰ نے عُروہ سے نہیں سُنا، اور حجاج نے یحییٰ سے نہیں سنا. (۵۴)

نیز اس روایت کی سند میں مذکور ایک شخص حجاج بن ارطاۃ ہے جو کہ مدلّس شمار کیا گیا ہے، اور کوئی مدلّس راوی اگر کسی روایت کو بیان کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں نے فلاں سے سنا، تو وہ روایت مقبول ہوتی ہے ورنہ نہیں، جبکہ اس روایت میں حجاج نے ایسا بھی نہیں کہا، بلکہ یہ تحدیث کی بجائے عنعنہ (عَنْ فُلَانٍ ... کے انداز) سے مروی ہے، امام بخاری نے بھی اسے غالباً انہی دونوں وجوہات کی بناء پر ضعیف قرار دیا ہے. (۵۵)

لہٰذا محض اس روایت کو بنیاد بنا کر پندرہ شعبان کی رات جوق در جوق اجتماعی شکل میں اور ''باجماعت'' زیارتِ قبور کے لیئے جانا درست نہیں ہوگا. البتہ

---

۵۴)(ترمذی مع التحفہ ۴۴۱/۳، ضعیف الترمذی:۱۱۹، ضعیف ابن ماجہ:۲۹۵، ضعیف الجامع:۱۷۶۱، مشکوٰۃ:۱۲۹۹، مسند احمد ۲۳۸/۶).

۵۵)(بحوالہ الصحیحۃ للالبانی ۱۳۸/۳، تحقیق المشکوٰۃ ۴۰۶/۱)

حسبِ معمول اگر کوئی شخص مشروع طریقہ سے زیارت کے لیئے جاتا ہے تو اُس کا معاملہ دوسرا ہے۔

سابقہ تفصیلات سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ کتنے ہی اُمور ایسے ہیں جو فی نفسہٖ جائز تو ہیں مگر ہم لوگوں نے انہیں اپنی اصل حالت میں نہیں رہنے دیا، بلکہ ان پر اپنا رنگ چڑھا لیا ہے جس کی وجہ سے وہ ''مسنونات'' کے دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ ''بدعات'' میں شمار ہونے لگے ہیں۔ قابلِ توجہ بات صرف اتنی سی ہے کہ دین جس طرح نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اُسے اسی طرح ہی اختیار کیا جائے تو ثواب ہوگا، اور اگر اپنی طرف سے اس میں سرِ مُو بھی فرق اور تصرّف کریں گے تو معاملہ بگڑ جائے گا۔

پانچواں طریقہ :

نصفِ شعبان کا روزہ:

پندرہ شعبان کی رات المعروف ''شبِ براءت'' کو منانے کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اُس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو ذکر وعبادت کے لیئے مخصوص کیا جاتا ہے اور سب سے زیادہ معروف و معمول بہٖ طریقہ یہی ہے، لہٰذا آیئے پہلے دیکھیں کہ اُس دن کا جو روزہ رکھا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں پہلے وہ باتیں مستحضر کرلیں جو ہم نے اس موضوع کو شروع کرتے وقت ذکر کی تھیں کہ نبی ﷺ بلا تخصیص یوم، اس ماہِ شعبان کے بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، اور جو شخص صومِ داؤدی [یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار] کا عادی ہو، وہ اس ماہ کے حسبِ معمول روزے رکھ سکتا ہے، اس میں چاہے پندرہ شعبان کا روزہ بھی ہو، چاہے رمضان سے ایک یا دو دن قبل کا روزہ بھی کیوں نہ آجائے اور وہ شخص جو ہر ماہ ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتا آرہا ہے وہ بھی بلا اختلاف اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ صرف پندرہ شعبان کا روزہ نہیں

رکھے گا بلکہ ساتھ ہی تیرہ اور چودہ کا بھی رکھے گا، اور وہ صرف ماہِ شعبان میں ہی ایسا نہیں کررہا، بلکہ وہ سال بھر کے تمام مہینوں میں مسلسل یہی عمل کرتا آرہا ہے۔

اوراسی طرح ہی جو شخص ہر ہفتہ میں پیراور جمعرات کا روزہ رکھتا آیا ہے وہ پندرہ شعبان کو پیر یا جمعرات کا دن آجانے کی شکل میں روزہ رکھ سکتا ہے، اسے کوئی ممانعت نہیں، اور پیر یا جمعرات کا دن رمضان سے ایک یا دو دن قبل آجائے تو بھی اسے حسبِ معمول اس کا روزہ رکھ لینے کی اجازت ہے، ورنہ پندرہ سے لے کر آخر شعبان تک غیر عادی اور عام آدمی کو روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور وہ حدیث حوالہ جات و ترجمہ سمیت متعلقہ مقام پر ذکر کی جاچکی ہے۔

من گھڑت روایت :

خاص پندرہ شعبان کا روزہ رکھنے کے لیۓ بھی بعض روایات بیان کی جاتی ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ پندرہ شعبان کا روزہ ثابت ہے جبکہ ایک روایت اس قدر ضعیف وکمزور ہے کہ اس سے استدلال کرنا ہی جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ محدّثِ برِ صغیر علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: (لَمْ أَجِدْ فِي صَوْمِ يَوْمِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِن شَعْبَانَ حَدِيْثاً صَحِيْحاً مَرْفُوْعاً)

”نصفِ شعبان کے دن کے روزے کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح سند والی اور نبی ﷺ تک پہنچنے والی مرفوع حدیث مجھے نہیں ملی“۔ (۵۶)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

(فَأَمَّا صَوْمُ يَوْمِ النِّصْفِ مُفْرَداً فَلاَ أَصْلَ لَهُ بَلْ إِفْرَادُهُ مَكْرُوْهٌ).

”صرف اکیلے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا لا اصل ہے، بلکہ یہ مکروہ ہے“ (۵۷)

---

۵۶) (تحفۃ الاحوذی ۴۴۲/۳)

۵۷) (اقتضاء الصراط المستقیم ص:۶۲۸)

امام سیوطیؒ و امام شوکانیؒ نے مذکورہ حدیث کو موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے. (۵۸)

پہلی روایت: اور جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی، اور ابن ماجہ میں ہے، اس میں ہے:

((إِذَا كَانَ النِّصْفُ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ، أَلَا مِنْ مُبْتَلىً فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا وَكَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ)).

''جب نصف شعبان کی رات آئے تو اس رات کو قیام کرو اور اس کے دن کو روزہ رکھو، بے شک اللہ تعالی اس رات غروبِ آفتاب کے وقت آسمان دنیا پر اتر آتا ہے اور فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اسے رزق سے نوازوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اسے عافیت بخش دوں؟ کیا کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے کہ اس کی حاجت پوری کردوں؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے''۔ (۵۹)

علامہ البانی نے اسے ضعیف ہی نہیں بلکہ من گھڑت کہا ہے۔(۶۰)

اس حدیث کو حافظ منذریؒ نے الترغیب و الترہیب میں رُوِيَ کے صیغۂ تمریض وتضعیف سے ذکر کیا ہے۔

مصباح الزجاجه فی زوائد ابن ماجه میں علامہ بوصیریؒ نے کہا ہے:

---

۵۸)(اللآلی المصنوعه للسیوطی ۶۰/۲، الفوائد المجموعة للشوکانی ص:۵۰، ۵۱)

۵۹)ابن ماجه:۱۳۸۸)

۶۰)ضعیف الجامع:۶۵۲، تحقیق المشکوٰۃ ۴۱۰/۱، ضعیف ابن ماجه:۲۹۴)

(اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ لِضُعُفِ ابْنِ اَبِي سَبُرَةَ وَاسْمُهٗ اَبُوْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ اَبِي سَبُرَةَ).

''اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کے راوی میں سے ایک راوی ابن ابی سبرۃ ضعیف ہے. جس کا پورا نام ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ ہے.''

امام احمد بن حنبل اور امام ابن معین رحمہما اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ روایات وضع کیا کرتا تھا یعنی من گھڑت باتوں کو حدیث کے نام سے بیان کیا کرتا تھا. (٦١)

علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اس کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ قرشی عامری مدنی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام عبداللہ ہے اور محمد بھی کہا گیا ہے اور کبھی وہ اپنے دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے. اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: (رَمَوْهُ بِالْوَضْعِ) اس پر محدّثین نے من گھڑت روایات بیان کرنے کا الزام لگایا ہے. اور مولانا سید امیر علی نے تعقیب التقریب میں اس کے ضعیف ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے'' ۔ (٦٢)

علّامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے کہ امام بخاریؒ اور دیگر کبار محدّثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے، اور امام احمد کے فرزندانِ گرامی عبداللہ اور صالح نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ یہ روایات گھڑا کرتا تھا، اور امام نسائیؒ نے اسے متروک قرار دیا ہے. (٦٣)

---

٦١) (تعلیق محمد فؤاد عبد الباقی علیٰ ابن ماجه ١/٤٤٤)

٦٢) (التقریب ص: ٥٧٥ و التحفة ٣/٤٤٢)

٦٣) (بحواله تحفة الاحوذی ٣/٤٤٢)

دوسری روایت : ایک دوسری روایت بھی حضرت علی ؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے جس میں ہے:

(فَإِنْ أَصْبَحَ فِی ذٰلِکَ الْیَوْمِ صَائِماً کَانَ کَصِیَامِ سِتِّیْنَ سَنَةٍ مَاضِیَةٍ وَسِتِّیْنَ سَنَةٍ مُقْبِلَةٍ).

”جو آدمی اس دن (پندرہ شعبان) کا روزہ رکھے گا، اسے ساٹھ گزشتہ سالوں اور ساٹھ آئندہ سالوں کے روزوں کا ثواب ملے گا“

یہ روایت امام ابن الجوزی نے جعلی و من گھڑت حدیثوں پر مشتمل اپنی کتاب ”الموضوعات“ [یعنی جعلی حدیثوں] میں ذکر کی ہے، اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

(مَوْضُوعٌ وَاِسْنَادُهُ مُظْلِمٌ)

”یہ موضوع و من گھڑت روایت ہے اور اس کی سند تاریک و سیاہ ہے“ (۶۴).

لہٰذا یہ پندرہ شعبان کا روزہ شروع میں ذکر کیئے گئے اسباب کی بناء پر رکھا جائے تو جائز و روا ہے، اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو اور محض مذکورہ روایات کو بنیاد بنا کر اس دن کا روزہ رکھا جائے تو ناجائز و ناروا ہے، کیونکہ یہ من گھڑت اور ضعیف روایات قابل استدلال نہیں ہیں.

چھٹا طریقہ :

نصف شعبان کی رات کو قیام :

باقی رہا اس رات کو منانے کا چھٹا طریقہ یعنی رات کو قیام کرنا، ذکر و اذکار میں مشغول ہونا اور ایک مخصوص نماز ادا کرنا، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ رات بہر حال عام راتوں کی نسبت قدرے فضیلت والی ہے، جس کا اندازہ متعلقہ روایات کے مجموعی

---

۶۴) (التحفہ ۳/۴۴۴ بحوالہ تذکار صحابیات، طالب الہاشمی ص: ۱۲۷)

مفاد سے لگایا جا سکتا ہے، ان احادیث سے اس رات کی فضیلت کا تو اندازہ ہو جاتا ہے مگر ان میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے اس طرف اشارہ ملتا ہو کہ اس رات میں تہوار منایا جائے، شبِ بیداری کا اہتمام کیا جائے اور مخصوص شکل وصورت اور کمّیت وکیفیت کی نمازیں ادا کی جائیں جیسا کہ آج کل رواج ہے.

نصفِ شعبان کی رات والی مخصوص نمازیں:

صلوٰة الخیر ...... یا ...... صلوٰة الألفیّه

ماہِ شعبان کی درمیانی یا پندرھویں رات کو ہی ایک مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے، جسے ''صلاۃالخیر'' اور ''صلاۃ الألفیة'' بھی کہا جاتا ہے. (٦٥)

اس کے بارے میں کثیر محدّثین ومجتہدین علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نوویؒ اپنی ایک دوسری کتاب المجموع شرح المهذّب میں فرماتے ہیں:

''صلاۃ الرغائب کے نام سے معروف نماز جو ماہِ رجب کی پہلی جمعرات کی رات کو مغرب اور عشاء کے مابین پڑھی جاتی ہے، جس کی بارہ رکعتیں ہوتی ہیں۔اور پندرہ شعبان کی رات کو ایک نماز سو رکعتوں پر مشتمل پڑھی جاتی ہے، یہ دونوں نمازیں بدترین بدعت ہیں، اور کتاب قُوت القلوب اور احیاء علوم الدین میں ان نمازوں کے مذکور ہونے سے دھوکہ نہ کھایا جائے، اور ان نمازوں کے بارے میں بیان کی جانے والی روایت سے بھی فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔

کیونکہ یہ سب باطل ہیں، اور اہلِ علم میں سے ایک صاحب پر ان نمازوں کی حقیقت وشرعی حیثیت مشتبہ ہوگئی، اور انھوں نے چند اوراق پر مشتمل ایک رسالہ بھی لکھ مارا جس میں اِن نمازوں کا استحباب ذکر کر دیا، اس رسالہ کے فریب میں بھی نہ آئیں [کیونکہ وہ زَلّاتُ الْعُلَمَاءِ کی قبیل سے ہے] اُس میں انھوں نے مغالطہ سے کام لیا

---

٦٥)(الابداع للشیخ علی المحفوظ ص:٢٨٩، اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ٢/٦٢٨)

ہے اور امام ابو محمد عبد الرحمٰن بن اسماعیل المقدسی نے ان کی ردّ میں ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں بڑے عمدہ پیرایہ میں ان کا بطلان ثابت کیا ہے"۔(۶۶)

امام ابوبکر طرطوشی نے اپنی کتاب "الحوادث و البدع" میں امام ابو محمد عبد الرحمٰن مقدسی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بیت المقدس میں یہ نماز "صلوٰۃ الرغائب" نہیں پڑھی جاتی تھی جو کہ رجب میں پڑھی جاتی ہے، اور نہ پندرہ شعبان کی رات والی نماز کا رواج تھا"۔

(وَأَوَّلُ مَا حَدَثَتْ عِنْدَنَا صَلوٰةُ شَعْبَانَ فِيْ سَنَةِ ثَمَانٍ وَأَرْبَعِيْنَ وَ أَرْبَعِ مِائَةٍ)

"اور یہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد کی گئی"۔

اور آگے بیت المقدس میں اس نماز کے آغاز کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نابلس سے ایک شخص ابن ابی حمراء بیت المقدس میں آیا جو بڑا خوش الحان قاری تھا، اس نے مسجدِ اقصیٰ میں یہ نماز پڑھانا شروع کی، پہلے پہل اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا، پھر دوسرا تیسرا چوتھا مل گیا اور نماز مکمل کرنے تک ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ مل گئی، اور وہی شخص آئندہ سال بھی آیا تو اس کے ساتھ ایک خلق کثیر نے نماز پڑھی اور اس کا چرچا مسجدوں اور گھروں میں عام ہوگیا، اور پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ آج تک اسے پابندی سے ادا کیا جا رہا ہے جیسے کہ وہ کوئی مسنون عمل ہو۔

امام طرطوشی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مقدسی سے پوچھا:

"کیا آپ نے لوگوں کو یہ نماز باجماعت ادا کرتے خود دیکھا ہے؟" تو انھوں نے کہا: ہاں، اور اس پر اللہ سے مغفرت کی بھی دعاء فرمائی اور استغفر اللہ کہا"۔ (۶۷)

---

۶۶)(الابداع للشیخ علی محفوظ ص:۲۸۸) ۶۷)(الابداع للشیخ علی محفوظ ص:۲۸۸)

ان کا یہ استغفار غالباً اس بناء پر ہوگا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بدعت کو مروّج دیکھا مگر اسے روک نہ سکا۔

بدعات کا محاسبہ کرنے والے علماءِ امت میں سے امام شہاب الدین المعروف ابوشامہ نے ماہِ رجب والی "صلوٰۃ الرغائب" اور اس شعبان والی نماز جسے انھوں نے "الصلوٰۃ الالفیۃ" کہا ہے، ان دونوں کی پُر زور تردید کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ بدعت ہیں، اور ان کے بارے میں پائی جانے والی اور بیان کی جانے والی روایات ضعیف اور موضوع و من گھڑت ہیں"۔ (۶۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"جامع مسجد، محلّوں، راستوں اور بازاروں کی دیگر مساجد میں یہ جو الصلوٰۃ الألفیۃ کے لیئے اکٹھا ہوا جاتا ہے، یہ مُحدَث و بدعت ہے اور یہ اجتماع جو ایک مقررہ وقت، مقررہ رکعات اور مقررہ قراءت والی نفلی نماز کے لیئے ہے، یہ غیر مشروع اور بدعت ہے۔ اور اس کا پتہ دینے والی روایت اہلِ علم حدیث کے اتفاق کے ساتھ من گھڑت ہے"۔ (۶۹)

ابن الجزری نے الحِصن الحصین میں مذکورہ روایت کی سند کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے (۷۰)

وجہ تسمیہ الصلوٰۃ الالفیہ:

الصلوٰۃ الالفیہ یا ہزاری نماز کا نام رکھے جانے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس کی سو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں دس مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ پڑھی جاتی ہے، اس طرح ایک نماز میں ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص کے پڑھے جانے کی وجہ سے اسے "ہزاری نماز" کا نام دیا گیا ہے۔(۷۱)

---

۶۸) (الباعث علی انکار البدع و الحوادث لابی شامہ ص:۳۲ تا ۳۹)

۶۹) (الاقتضاء ۲/۶۲۸ و ۶۳۵) ۷۰) (بحوالہ الابداع ص:۲۸۸)

۷۱) (الباعث علی انکار البدع و الحوادث ص:۳۲)

بدعات کے موضوع پر غالباً سب سے پہلے لکھی جانے والی کتاب "البدع و النهي عنها" میں اُس کے مؤلف امام محمد بن وضاح القرطبیؒ جو کہ تیسری صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، اس پندرہ شعبان کی رات کے بارے میں اپنی سند کے ساتھ دو روایتیں لائے ہیں، جن میں سے پہلی میں وہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے مشائخ وفقہاء نصف شعبان کی رات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیا کرتے تھے اور نہ ایسی باتوں یا نمازوں کا اہتمام کیا کرتے تھے.

اور دوسری روایت میں ابن ابی مُلیکہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہیں بتایا گیا کہ زیاد النمیر ی کہتا ہے کہ نصف شعبان کی رات کا ثواب رمضان کی لیلۃ القدر جتنا ہے، تو ابن ابی ملیکہ نے کہا:

(لَوْ سَمِعْتُ مِنْهُ وَبِيَدِي عَصا لَضَرَبْتُهُ بِهَا وَكَانَ زِيَادُ قَاضِياً)

"اگر میں اُس سے یہ بات سنتا اور اُس وقت میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہوتا تو میں اسے اس سے مارتا، جبکہ یہ زیاد اس وقت قاضی کے عہدے پر فائز تھا" (۷۲)

حافظ عراقی نے تخریج احیاء علوم الدین میں پندرہ شعبان کی رات والی اس نماز کے بارے میں وارد کی جانے والی روایت کے بارے میں لکھا ہے:

(حَدِيثُ صَلوٰةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ حَدِيثٌ بَاطِلٌ)

"نصف شعبان کی رات والی نماز کی حدیث باطل، [یعنی خود گھڑ کر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کی گئی] ہے"۔ (۷۳)

امام شوکانیؒ نے من گھڑت حدیثوں کو اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے، اُس

---

۷۲)(البدع و النهی عنها ص:۴۶)

۷۳)(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار علی هامش الاحیاء ۱۸۲/۱، والتحذير من البدع لابن باز ص:۱۸۰)

میں مذکورہ سَو رکعت والی نماز پر مشتمل روایت کو انھوں نے جعلی وخود ساختہ قرار دیا.اور اس کی متعدد اسناد ذکر کر کے اُن کے راویوں کے مجہول ہونے کی بناء پر انہیں من گھڑت کہاہے. (۷۴)

امام سیوطیؒ نے من گھڑت روایات کے مجموعے پر مشتمل اپنی کتاب میں نصف شعبان کی رات میں پڑھی جانے والی سَو رکعتوں والی مسند الفردوس دیلمی کی روایت کو موضوع کہاہے اور ذکر کیا ہے کہ اس کی سند کے تمام راوی مجہول ہیں، اوراس کے ساتھ ہی بارہ رکعتوں اور چودہ رکعتوں والی نمازوں پر مشتمل روایات کو بھی موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے. (۷۵)

امام ابن رجبؒ نے ذکر کیا ہے کہ تابعین میں سے بعض اہل شام مثلاً خالد بن معدان، مکحول اور لقمان بن عامر وغیرھم رحمہم اللہ اس رات کی عبادت وتعظیم کیا کرتے تھے، اور اہل بصرہ کے بعض عابد و زاہد قسم کے لوگ بھی اُن کے موافق ہو گئے، مگر اکثر علمائے حجاز مثلاً عطاء، ابن ابی مُلیکہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بقول فقہاءِ اہل مدینہ اور اصحابِ امام مالک رحمہم اللہ نے اِس کا انکار کیا ہے اور اسے بدعت قرار دیا ہے. (۷۶)

مذکورہ تابعین خالد ولقمان اس رات باجماعت نفل پڑھا کرتے تھے، عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور سرمہ بھی لگاتے تھے، اور امام اسحاقؒ بن راہویہ نے ان کی موافقت کی ہے، جبکہ امام وعالم اور فقیہہ شام امام اوزاعی مساجد میں باجماعت نفل

---

۷۴)(الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ص:۵۰-۵۱)

۷۵)(اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ۲/۵۸-۵۹ و التحذیر من البدع لابن باز ص:۱۴)

۷۶)(لطائف المعارف ص:۱۴۴)

پڑھنے ،دُعائیں کرنے اور قصے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے،اور اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کچھ نفل ونوافل پڑھ لے تو اسے مکروہ نہیں کہتے تھے،اور حافظ ابن رجب نے اسی کو [اقرب] قرار دیا ہے. (۷۷)

یہ تو بعض تابعین وعلماء کا اختیار ہے مگر جو کام خود نبی ﷺ نے نہ کیا ہو، صحابہ کرام ؓ سے بھی ثابت نہ ہو،اس میں جواز یا استحباب کہاں سے آئے گا؟اور موقع آنے اور کوئی امرِ مانع بھی نہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ اور صحابہ ؓ کے اسے نہ کرنے سے کسی فعل کی غیر مشروعیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے.

المختصر شعبان کی پندرھویں رات میں پڑھی جانے والی مخصوص عدد کی رکعات اور مخصوص عدد کی سورۃ الاخلاص والی نمازیں کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ، نہ با جماعت نہ بلا جماعت ، نہ سراً نہ جہراً ، اور اس رات بعض مخصوص دعائیں (يَا ذَا الْمَنِّ... اور... اِلٰهِىْ بِـالتَّجَلِّيْ الْأَعْظَمْ...) مانگی جاتی ہیں جو کہ خودساختہ ہیں. (۷۸)

اب مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس رات کو کسی خاص طریقے سے منانے کا ثبوت نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی حدیث میں، لیکن آتش بازی و چراغاں جیسے لہو لعب ،حلوے مانڈے کے شغل ،دن کے روزے اور رات کی خود ساختہ اور مخصوص کیفیّت وکمّیت کی جعلی نمازوں سے قطع نظر ،انفرادی طور پر کوئی ذکر ودعاء اور مطلق نفلی عبادت کرلیتا ہے تو اسے مطعون اور بُرا بھلا نہ کہا جائے ،لیکن اگر وہ ان رسوم کی پابندی کرتے ہوئے ایسا کرے تو پھر یہ بہر حال درست نہ ہوگا، کیونکہ کسی رات کا فضیلت والا ہونا اُس کے احتفال وجشن اور مخصوص عبادتوں کو مستلزم بھی نہیں ہے.

---

۷۷)(التحذیر من البدع ص:۱۴)

۷۸)(الابداع ص:۲۹۰،حاشیہ،مختصر ابن کثیر ۱۹/۴)

احادیثِ نصفِ شعبان (شبِ براءت)

ہم نے پندرہ شعبان کے بارے میں تفصیلات ذکر کردی ہیں کہ کیا ہونا چاہیئے؟ مگر کیا ہورہا ہے؟ اب ان ایام سے تعلق رکھنے والی صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ ہے: نصفِ شعبان کے بارے میں پائی جانے والی بعض دیگر احادیث یا روایاتِ شبِ براءت اوران کی تحقیق، چنانچہ ہم یہاں تفصیلات سے قطعِ نظر آپ کے سامنے ماہِ شعبان سے متعلقہ صرف دس (۱۰) احادیث کی استنادی حیثیت مختصر انداز سے پیش کررہے ہیں تاکہ ماہِ شعبان کے بارے میں یہ موضوع آپ کے سامنے کسی حدّ تک مکمل شکل میں آجائے۔

پہلی حدیث: اُن احادیث میں سے پہلی حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے السنۃ ابن ابی عاصم، صحیح ابن حبان، شعب الایمان بیہقی، تاریخ ابنِ عساکر اور معجم کبیر و اوسط طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے، جس میں ہے:

(يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالىٰ عَلىٰ خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ)

''اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہ شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف دیکھتا ہے اور مشرک وکینہ پرور کے سوا سب کو بخش دیتا ہے''۔ (۷۹)

علاّمہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں طبرانی کی روایات کے بارے میں کہا ہے کہ ان دونوں کی اسناد کے راوی ثقہ ہیں۔

علاّمہ ذہبیؒ نے حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ کی سند میں انقطاع واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مکحول، مالک بن یخامر سے ملے ہی نہیں تو اس سے بیان کیسے کررہے ہیں؟

شیخ البانی کہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کی سند حسن تھی، کیونکہ اس کے

---

۷۹) (صحیح الترغیب: ۱۰۱۶، موارد الظمآن: ۱۹۸۰، الصحیحۃ: ۱۱۴۴)

تمام راوی بقول امام منذری ثقہ ہیں. (۸۰)

دوسری حدیث : اسے حضرت ابوثعلبہ ؓ سے مرفوعاً ابن ابی عاصم، لا لکائی اور طبرانی نے بیان کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی احوص بن حکیم ہیں جنہیں مجمع الزوائد میں علامہ ہیثمی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام منذری نے اسے الترغیب و الترھیب میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت طبرانی اور بیہقی میں مکحول کے واسطہ سے ابوثعلبہؓ سے مروی ہے، اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت مکحول اور ابوثعلبہ ؓ کے مابین مرسل جید ہے اور مرسل روایت کے حجت ہونے یا نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے.

تیسری حدیث : یہ حضرت عبداللہ بن عَمرو سے مروی ہے۔ (۸۱)

اس روایت کی سند کو متابعات اور شواہد کے طور پر لینے کے لیۓ لا بأس بہ قرار دیا گیا ہے کہ ''اس میں کوئی مضائقہ نہیں''۔ جبکہ علاّمہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی (ابن لہیعہ) ہے جو کہ لیّن الحدیث ہے اور باقی راوی موثوق ہیں جبکہ علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے ابن لہیعہ کو ضعیف کہا ہے، اور امام منذری نے اس کی سند کو لیّن و نرم قرار دیا ہے. اور متابعات و شواہد کے پیش نظر اِسے شیخ البانی نے حسن درجہ کی روایت قرار دیا ہے، اس روایت میں مشرک کے ساتھ کینہ پَرور نہیں بلکہ قاتل کا لفظ وارد ہوا ہے.

چوتھی حدیث : یہ حضرت ابوموسی اشعری ؓ سے ابن ماجہ (۱۳۹۰) السنہ لابن ابی عاصم و لا لکائی میں مذکور ہے، اور اس کی سند میں بھی ابن لہیعہ ضعیف، ولید بن مسلم مدلّس اور عبدالرحمٰن ابن عرزب مجہول الحال ہے، لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے. (۸۲)

پانچویں حدیث: یہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مرفوعاً مروی ہے، اس کا ایک

۸۰) (السنہ لابن ابی عاصم ۵۱۲، صحیح ابن حبان ۱۹۸۰، شعب الایمان ۲/۲۸۸/۲)

۸۱) (تاریخ ابن عساکر ۲/۳۰۲/۱۵، مجمع الزوائد ۶۵/۸، مسند امام احمد: ۶۶۴۲)

۸۲) (سنن ابن ماجہ ۱/۴۴۵ حدیث ۱۳۹۰)

راوی ہشام بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اسے میں نہیں جانتا ہوں [کہ کون اور کس درجہ کا ہے؟] جبکہ باقی سب راوی ثقہ ہیں .(۸۳)

چھٹی حدیث : یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند بزّار ،التوحید لابن خزیمہ ،السنة لابن ابی عاصم و لالکائی ،اخبار اصبھان ابو نعیم اور بیہقی میں مروی ہے، جسے امام منذری نے الترغیب میں نقل کر کے لکھا ہے: [لا بأس به] کہ اس کی سند میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور علّامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے اس کی سند میں مذکور ایک راوی عبدالملک بن عبدالملک کے بارے میں کہا ہے کہ ابن ابی حاتمؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے مگر اس راوی کو ضعیف نہیں کہا، جبکہ باقی راوی ثقہ ہیں، لیکن امام بخاری نے عبدالملک کی اس روایت کو محلِّ نظر قرار دیا ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال ذہبی میں مذکور ہے.

ساتویں حدیث : یہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بزّار نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے.(۸۴)

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک تو ابن لہیعہ ہے جو کہ لیّن بلکہ ضعیف ہے، اور دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن انعم ہے اور اسے بھی علّامہ ہیثمی کے بقول جمہور آئمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے اور صرف احمد بن صالح نے اس کی توثیق کی ہے، ان دو کے علاوہ باقی سب راوی ثقہ ہیں، اور علّامہ البانی کے بقول یہ روایت اور ایسی ہی کئی دیگر روایات لالکائی نے اپنی کتاب السنۃ میں کبار تابعین مثلاً عطاء بن یسار، مکحول اور فضل بن فضالہ رحمہم اللہ سے موقوفاً علیھم نقل کی ہیں جو کہ مختلف الاسانید ہیں، اور ایسے مفہوم کی روایات چاہے موقوف ہی کیوں نہ ہوں، یہ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں کیونکہ ایسی باتیں محض ذاتی رائے کی بناء پر نہیں کہی جا سکتیں.

---

۸۳)(کشف الاستار بزوائد مسند البزّار ص:۲۴۵)

۸۴) (زوائد مسند بزار ص:۲۴۵)

آٹھویں حدیث : یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے، جس میں ہے:

(اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ بَنِيْ کَلْبٍ). (۸۵)

"بے شک اللہ تعالیٰ نصفِ شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے ،اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ گناہگاروں کو معاف کرتا ہے"

قبیلہ بنی کلب کا نام اس لیئے لیا گیا ہے کہ عربوں میں سب سے زیادہ بکریوں والا یہی قبیلہ تھا،اور شارح ترمذی نے لکھا ہے:

"ابہری نے الازھار سے نقل کیا ہے کہ یہاں بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ گناہوں کی بخشش ومعافی مراد ہے، نہ کہ اتنے گنہگاروں کی بخشش ، بہر حال گنہگاروں کی بخشش مراد ہو یا گناہوں کی ، اللہ کے خزانوں میں کسی کے لیئے بھی کمی نہیں ہے"۔

اسی حدیث کے شروع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کو بستر سے غائب پایا، اور جب آپ ﷺ کو تلاش کرنے نکلی تو آپ ﷺ کو دیکھا کہ بقیع میں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم اس بات سے ڈر گئی ہو کہ میں تم پر ظلم کروں گا؟" میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تو یہی سمجھ رہی تھی کہ آپ ﷺ شائد کسی دوسری اہلیہ کے ہاں چلے گئے ہیں"

تب نبی کریم ﷺ نے مذکورہ الفاظ بھی فرمائے. لیکن اس روایت کے بعد خود امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام بخاریؒ کو سنا ہے کہ وہ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں ،اور آگے اس کی سند میں پائے جانے والے دو جگہ کے انقطاع کو بیان کیا ہے کہ حجاج اور یحیٰ ، پھر یحیٰ اور عُروہ کے مابین انقطاع ہے کہ

۸۵) (مسند احمد ۲۳۸/۶،ضعیف الجامع :۱۷۶۱،ضعیف الترمذی:۱۱۹ص:۸۶، الصحیحه ۱۳۸/۳)

یحییٰ نے عُروہ سے نہیں سنا.

امام بخاریؒ کا کہنا ہے کہ حجّاج نے یحییٰ سے نہیں سنا، جبکہ اس روایت کی سند کے ایک راوی حجّاج بن ارطاۃ کو بھی محدّثین نے مدلّس قرار دیا ہے، اور مدلّس کی صرف وہ روایت قابل قبول ہوتی ہے جس میں وہ یہ کہے کہ میں نے یہ بات فلاں سے سنی یا اس نے مجھ سے بیان کی ہے، جبکہ اس روایت میں ایسا نہیں بلکہ حجّاج نے عنعنہ سے کام لیا ہے جس سے ان کے سماع کی صراحت نہیں ہوتی. (۸۶)

اور امام بخاریؒ کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا یقیناً ان ہی اسباب کی بناء پر ہوگا.

نویں حدیث : یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، جس میں پندرہ شعبان کے دن کے روزہ اور رات کے قیام کا ذکر ہے جس کے ضعیف ہونے کی تفصیل ہم نے پندرہ شعبان کے روزے کی عدمِ مشروعیّت کے ضمن میں بیان کردی ہے.

دسویں حدیث : یہ حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اُخنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس میں سال بھر کی پیدائش و اموات اور نکاح کا ذکر ہے اور یہ بھی مرسل وضعیف ہے. (۸۷)

ویسے بھی اس میں پندرہ شعبان کی رات نہیں بلکہ مطلق شعبان کے مہینہ کا ذکر ہے جو کہ دیگر تمام روایات کے خلاف ہے.

الغرض امام ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ اس رات کی فضیلت متعدد روایات میں آئی ہے، جنہیں اکثر محدّثین نے ضعیف کہا ہے، لیکن بعض کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے، اور ان میں سے سب سے امثل و بہترین حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے. (۸۸)

---

۸۶) (الصحیحہ للالبانی ۱۳۸/۳)

۸۷) (ابن کثیر ۱۳۷/۴)

۸۸) (لطائف المعارف ص:۱۴۳)



امام ابن تیمیہؒ نے تعدّدِ حدیث کی بناء پر اور امام احمد کی نصوص کے پیش نظر اس رات کی فضیلت مانی ہے۔ (۸۹)

علاّمہ مبارکپوریؒ نے متعدد احادیث کے پیش نظر کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ (۹۰)

اور دَورِ حاضر کے معروف محدّث شیخ البانی نے متعدد طرق نقل کیے ہیں اور ان کے مجموع سے حاصل ہونے والی قوّت کی بناء پر مذکورہ حدیث نمبر ایک (1) کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۹۱)

یہ اس رات کی کچھ فضیلت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا سابقہ ساری تفصیل کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے، اگر کوئی شخص اس رات میں مطلق عبادت [نوافل وتلاوت] کر لیتا ہے، تو کوئی حرج نہیں، جبکہ متعیّن اور مقررہ اشکال کی کوئی عبادت ثابت نہیں ہے، ویسے بھی کسی رات کا فضیلت والا ہونا کسی خاص عبادت کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔ واللہ الموفق للصواب

ابو عدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

و داعیہ متعاون، مراکز دعوت و ارشاد

الخبر، الظھران، الدمام

(سعودی عرب)

---

۸۹) (اقتضاء الصراط المستقیم ۲/۶۲۷)

۹۰) (الصحیحہ للالبانی ۳/۱۳۵)

۹۱) (التحفۃ ۳/۴۴۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف سپاس و تشکر

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ

جماعة مسجد الامام ابو حنیفه

قاعدة الملک عبدالعزیز الجویة ، الظهران

(ظہران ائیر بیس، سعودی عرب)

نے تعاون کیا ہے

فجزاهم الله خيرا في الدنيا والآخرة

لہٰذا ہم اسے تجارتی وکاروباری نقطہ نظر سے نہیں

بلکہ محض دعوتی و تبلیغی انداز سے

آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

ابو عدنان محمد منیر قمر